دینی تعلیم کا رسالہ
۸
الجمعیتہ بک ڈپو قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۔ ٦

دینی تعلیم کا رسالہ

نمبر ۸

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

کی

مدنی زندگی

چوتھے درجہ کی دوسری سہ ماہی کا

دینی نصاب

منظور کردہ

تعلیمی کمیٹی جمعیۃ علماء ہند

شائع کردہ :- ———— الجمعیۃ بک ڈپو، دہلی

مطبوعہ نیو پبلک پریس دہلی۔ قیمت : 8.00

فہرست مضامین رسالہ ۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مدینہ منوّرہ اور قبا

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تشریف آوری

روانگی کی خبر مدینہ طیّبہ پہنچ چکی تھی جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا۔ شمع رسالت کے پروانے صبح سویرے حرّہ[1] تک آتے اور جب دھوپ تیز ہوجاتی تو مجبور ہوکر واپس ہوجاتے۔ ایک روز دوپہر تک انتظار کے بعد واپس ہوئے تھے کہ ایک یہودی جو اپنے کسی کام سے ایک پرانے قلعہ کی اونچی اٹاری پر چڑھا ہوا تھا، اُس کی نظر چند سفید پوش ناقہ سواروں پر پڑی جو ریتلے میدان کو طے کرتے ہوئے مدینہ کی طرف آرہے تھے۔

یہودی نے پکارا۔ لوگو! وہ آگئے جن کا انتظار تھا۔ خوشی کی ایک لہر نے مدینہ کے ہر چھوٹے بڑے کو چونکا دیا۔ فوراً تیار ہوئے کپڑے پہنے اور ہتھیار[2] سجا کر۔

---

[1] حرہ۔ مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ جو پہاڑوں کے بیچ میں ہے۔

[2] یہ اُن کا قاعدہ تھا۔ بڑے آدمی کا استقبال ہتھیار لگا کر کیا کرتے تھے گویا ان کی پوری پوشاک یہ ہوتی تھی کہ تلوار کمر میں اور نیزہ مونڈھے پر ہو۔

استقبال کے لئے "حرہ" پہنچ گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ رونق افروز ہوئے گویا آفتاب زمین پر اُتر آیا۔ سارے فدائی قربان ہونے لگے۔

سب سے پہلے قبا پڑتا تھا یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں قبیلہ "اَوس" کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ اُن میں سب سے ممتاز "عمرو بن عوف" کا خاندان تھا جس کے سردار "کلثوم بن ہدم" تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبا پہنچے تو انہیں کے یہاں آپ نے قیام فرمایا۔ چودہ[1] روز یہاں قیام رہا۔ حضرت کلثوم رضؓ کی ایک اُفتادہ زمین تھی۔ جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں یہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ سب سے پہلے آپ نے پتھر رکھا۔ دوسرا حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے تیسرا حضرت فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) سے رکھوایا۔ پھر تمام ساتھیوں نے حصہ لیا۔ خود ہی مزدور تھے خود ہی معمار۔

---

[1] دنوں کی تعداد میں اختلاف ہے کچھ علماء کا قول ہے کہ چار روز قیام فرمایا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بائیس ۲۲ قیام فرمایا۔ لیکن بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ چودہ دن قیام فرمایا۔ بظاہر یہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قبا سے مدینہ منوّرہ

نماز جمعہ خطبہ اور مسجد کی تعمیر

جمعہ کے روز ہمارے آقا محبوب رب العالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) قبا سے یثرب[۱] کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ اونٹنی پر سوار تھے حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) آپ کے "ردیف[۲]" تھے۔ اور وہ بہت سے جان نثار جو یثرب سے آپ کو لینے آئے تھے آپ کے دائیں بائیں قطار لگائے ہوئے ساتھ تھے۔ جب بنی سالم کے محلہ میں پہنچے تو نماز کا وقت ہوگیا تھا۔ وہیں جمعہ کی نماز پڑھی اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اسلام میں یہ سب سے پہلی نماز جمعہ اور یہ خطبہ سب سے پہلا خطبۂ جمعہ تھا۔

آج جوش کی یہ حالت تھی کہ راستہ کے دونوں طرف جاں نثاروں کی صفیں تھیں۔ کوٹھوں پر عورتوں کا ہجوم تھا۔ بچے خوشی کے مارے پھولے نہیں سمارہے تھے۔ لڑکیاں خوشی کے ترانے گارہی تھیں۔ ہرطرف رونق ہی رونق تھی۔ جو محلہ راستہ میں

---

[۱] اس وقت نام یہی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سکونت اختیار فرمائی تو مدینۃ الرسول کہا جانے لگا۔ پھر اس کو مدینہ طیبہ یا مدینہ منورہ کہنے لگے۔ پھر صرف مدینہ کے نام سے مشہور ہوا۔

[۲] اونٹنی پر جو دوسرا ساتھی ہوتا ہے اس کو "ردیف" کہا جاتا ہے۔

پڑتا محلہ والے چاہتے کہ آپ یہیں قیام فرمائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقہ کی مہار چھوڑ دی اور فرمایا۔ جہاں اللہ کا حکم ہوگا یہ ناقہ بیٹھے گی اور وہیں میرا قیام ہوگا۔

ناقہ چلتے چلتے اُس جگہ پہنچ کر بیٹھ گئی جس جگہ مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے آپ نے فرمایا ہمارا قیام یہیں رہے گا۔ (انشاء اللہ)

یہ بنو نجار کا محلہ تھا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ننھیالی محلہ تھا۔ اسی میدان میں جہاں ناقہ بیٹھا تھا۔ بکریوں کا ریوڑ بٹھادیا جاتا۔ کھجور کے گچھے سکھائے جاتے۔ یہیں ایک کنارہ پر محلہ کے مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے۔

اس کے مالک سَہْل اور سُہَیْل دو یتیم بھائی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مسجد اور اپنا مکان بنوانا چاہا۔ تو مالکوں نے اصرار سے عرض کیا کہ یہ زمین نذر ہے بغیر قیمت منظور فرمالی جائے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیش کش منظور نہیں فرمائی۔ بلکہ قیمت طے کراکر پہلے ادا کردی پھر کام شروع کیا دس دینار قیمت طے ہوئی جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کردی۔

پہلے زمین برابر کی گئی۔ پھر مسجد کی بنیاد ڈالی۔ سب نے مل کر مسجد تعمیر کی۔ صحابۂ کرام جب دیکھتے کہ شاہِ دوجہاں بھی اُن کے ساتھ کام کررہے ہیں تو اُن کے جوش کی انتہا نہ رہتی۔ بدن میں سیروں خون بڑھ جاتا۔ وہ کام کرتے کرتے قومی ترانے شروع کردیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کا ساتھ دیتے۔

مسجد کی تعمیر کیا تھی۔ اوپر نیچے پتھر رکھ کر گارے کی چاروں طرف دیواریں بنائی گئیں۔ جو ایک طرف سو سو ہاتھ تھیں اور دوسری طرف پچاس پچاس ہاتھ

مسجد میں کھجور کے تنوں کے کھمبے کھڑے کئے گئے ان پر کھجور کے پٹھوں کا لمبا چوڑا چھپر ڈال دیا گیا۔ زمین کچی رہی۔ بارش ہوتی تو گارا ہو جاتی۔ اس لئے کچھ دنوں بعد بجری بچھوا دی گئی۔

زنانہ خانہ مسجد کے ایک طرف دو حجرے[۱] (زنان خانے) بنوائے گئے اُن کی دیواریں کچی تھیں۔ چھت اتنی نیچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر پردہ پڑا رہتا تھا۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

مدینہ میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو دو اونٹ اور پانسو ۵۰۰ درہم دے کر بھیجا کہ مکہ جا کر متعلقین کو لے آئیں۔

۱؎ حجرہ ہمارے یہاں کوٹھری کو کہنے لگے ہیں لیکن عربی میں چھوٹے سے مکان کو کہتے ہیں جس میں چھوٹا سا کمرہ اور مختصر سا صحن ہو۔ ازواج مطہرات کے حجرے اسی قسم کے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف دو بیویاں تھیں حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ لہذا دو حجرے بنوائے گئے۔ پھر جیسے جیسے حرم میں زیادتی ہوتی رہی حجرے بھی بڑھائے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ مسجد کے دونوں جانب ازواج مطہرات کے حجرے ہو گئے ان کے دروازے مسجد کی طرف تھے۔ اور صحن دوسری طرف۔

سوالات

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں کتنے دن قیام فرمایا اور کس دن روانہ ہوئے۔ ۲۔ جس میدان میں مسجد نبوی بنوائی گئی وہاں پہلے کیا ہوتا تھا؟ ۳۔ مسجد نبوی کی تعمیر کس طرح ہوئی؟ (علی صاحبہ الصلوۃ والسلام) ۴۔ رہنے کے مکان کس طرح بنوائے گئے اُن کی اونچائی کتنی تھی؟ ۵۔ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے آپ کے کتنی بیویاں تھیں؟

شاہِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان میں

حضرت ابوایوب (رضی اللہ عنہ) آپ کے نانہالی رشتہ دار تھے۔ آپؐ نے انہیں کا مکان اپنے عارضیؐ[1] قیام کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ کے تشریف لانے سے پہلے صحابہؓ نے قرعہ[2] ڈالا تھا اس میں بھی انہیں کا نام نکلا تھا۔ یہ ان کی خوش نصیبی تھی۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا مکان دو منزلہ تھا۔ آپ نے اوپر کا حصہ پیش کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والوں کی آسانی کے لئے نیچے کا حصہ پسند فرمایا۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ آپؐ کی خدمت میں دو دفعہ کھانا بھیجتے آپ کے پاس سے جو بچ کر جاتا وہ ابوایوب رضی اللہ عنہ اور اُن کی اہلیہ کا حصہ ہوتا۔ جہاں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کا نشان ہوتا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بھی وہیں تبرکاً انگلیاں ڈالتے۔ ایک روز انگلیوں کا نشان نہ تھا۔ کھانا جیسا آیا تھا

---

[1] عارضی یعنی چند روزہ

[2] قرعہ، جیسے پرچیاں ڈال کر نام نکالا کرتے ہیں۔

ویسا ہی واپس ہو گیا۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ گھبرا گئے۔ خدمت میں حاضر ہو کر وجہ دریافت کی۔ ارشاد ہوا کھانے میں لہسن[1] تھا اس لئے نہیں کھایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ماہ یہاں قیام فرمایا جب حجرے تیار ہو گئے تو آپ وہاں تشریف لے گئے۔

سنہ ہجری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لاتے ایک نیا زمانہ شروع ہوا۔ اس لئے اس تاریخ سے ایک سنہ شروع کیا گیا اس کو سنہ ہجری کہتے ہیں جو محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے اور ذی الحجہ[2] پر ختم ہوتا ہے۔

---

[1] لہسن پیاز کھانا جائز ہے البتہ کچا لہسن پیاز کھا کر مسجد میں جانا یا نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جب تک مسواک کر کے بدبو دور نہ کر دی جائے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونوں چیزیں پسند نہ تھیں۔

[2] مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس سنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے خلافت کے زمانہ میں رائج کیا۔ اس سے پہلے عرب میں کوئی مستقل سنہ (سمت) نہیں تھا۔ بلکہ جو کوئی بڑا واقعہ ہوتا اس سے سنہ شروع کر دیا کرتے تھے۔ آخر میں اصحاب فیل کے واقعہ سے سنہ شروع کر دیا گیا۔ یہ واقعہ اسی سال پیش آیا تھا جس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔

انصار اور مہاجرین

مواخاۃ (یعنی) بھائی چارہ

انصار۔ یعنی مددگار۔ یہ خطاب مدینہ طیبہ کے مسلمانوں کو دیا گیا۔ جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی مدد کی۔

مہاجر۔ یعنی اللہ کے لئے اپنے وطن اور اپنے گھر بار کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانے والا۔

مہاجر، وہ جاں نثار تھے جنہوں نے اللہ کی خاطر وطنِ عزیز چھوڑا۔ گھر بار چھوڑا اور ان دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی چھوڑ دیا جو اللہ کو چھوڑے ہوئے تھے یہ زیادہ تر مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے۔

جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو اُن کے رہن سہن اور روزگار کا مسئلہ بہت پیچیدہ[۱] تھا۔

یہ حضرات اپنا سب کچھ کھو کر خالی ہاتھ آئے تھے اور مدینہ طیبہ ایسا بڑا شہر نہ تھا کہ سیکڑوں آدمی محنت مزدوری میں کھپ سکیں۔

۱ـــ پیچیدہ۔ ٹیڑھا، اُلجھا ہوا۔

وہاں نہ کوئی کارخانہ تھا نہ دستکاری کا کوئی سلسلہ تھا۔ صرف کاشتکاری تھی اور مہاجرین کاشت کاری سے واقف[1] نہ تھے۔ انصار اپنے ہاتھ سے کھیتی کا کام کیا کرتے تھے۔ رہنے کا معاملہ بھی ایسا ہی ٹیڑھا تھا۔ نہ کوئی ایسا بڑا مسافر خانہ تھا جس میں یہ حضرات ٹھیر سکیں نہ خالی مکان تھے جن کو کرایہ پہ لے سکیں۔

مہاجرین اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ نذر اور خیرات پر بسر کریں۔ وہ ہمیشہ دست و بازو سے کما کر اپنا گذر کرتے رہے تھے۔ اس وقت بھی وہ یہی سلسلہ چاہتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشکل کو اس طرح آسان فرمایا کہ انصار اور مہاجرین میں مواخات (یعنی) بھائی چارہ قائم کر دیا۔ جب مسجد کی تعمیر ختم کے قریب پہونچی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو جمع کیا۔ آپ نے انصار سے فرمایا۔ یہ مہاجر تمہارے بھائی ہیں۔ پھر ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو بلا کر[2] فرمانے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ انصار نے سو جان سے

---

[1] کیونکہ مکّہ کے باشندے تجارت کیا کرتے تھے۔ کھیتی کے لئے نہ اُن کے پاس زمینیں تھیں نہ وہ واقف تھے۔

[2] سب سے زیادہ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ جس مہاجر اور انصاری میں بھائی چارہ قائم کیا اُن کی طبیعتیں ایک دوسرے سے ایسی مل گئیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے بھائی بن گئے۔ یعنی جس کی طبیعت جس کے مناسب پائی اُسی کے ساتھ اُس کا جوڑ لگا دیا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست اور انتہا درجہ کی مردم شناسی تھی جو معجزہ کی شان رکھتی ہے۔

اس کو منظور کر لیا۔ ہر ایک انصاری مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے گیا اور تمام اسباب سامان اُس کے سامنے رکھ کر کہہ دیا کہ آدھا آپ کا ہے آدھا ہمارا ہے۔ اسی طرح کھیت کیار اور اُس کی پیداوار میں بھی اُن کو آدھے کا شریک کر لیا۔

یہ بھائی چارہ یہاں تک بڑھا کہ مرنے کے بعد بھی مہاجر بھائی کو انصار کا وارث[1] قرار دیا گیا۔ لیکن جس طرح انصار نے پُوری خوشی کے ساتھ یہ قربانی کی کہ مہاجر بھائیوں کو ساجھی بنا لیا ایسے ہی مہاجرین نے بھی پُوری ہمّت اور خود اعتمادی[2] سے کام لیا۔ انہوں نے یہ کوشش کی کہ اپنا بوجھ خود اُٹھائیں اور انصار بھائیوں پر کم سے کم بوجھ ڈالیں۔

انصار کے ایثار[3] اور مہاجرین کی خود اعتمادی کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت سعد بن ربیع انصاری جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (مہاجر) کے بھائی

---

[1] جنگ بدر تک یہی حکم رہا کہ مہاجر انصار کا وارث ہوتا تھا۔ جنگ بدر کے بعد مہاجرین کو امداد کی اتنی ضرورت نہیں رہی تو حکم بھی ختم ہو گیا۔

[2] خود اعتمادی۔ اپنے اوپر بھروسہ۔ خود کے معنیٰ اپنا اور اعتماد' بھروسہ۔ خود اعتمادی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنا بوجھ خود اٹھائے۔ دوسرے کے سہارے پر زندگی بسر کرنا پسند نہ کرے۔ یہ خیال کرے کہ خدا نے اس کو بھی ہاتھ پاؤں اور کام کاج کی طاقت دی ہے۔ لہٰذا اس خداداد طاقت سے کام لے۔

[3] ایثار۔ ترجیح۔ یعنی اپنی ضرورت کے مقابلہ میں دوسرے کی ضرورت کو مقدم رکھنا۔

قرار پائے تھے۔ اُن کے دو بیویاں تھیں۔ اُنھوں نے اپنے مہاجر بھائی سے کہا کہ ایک کو میں آزاد کرتا ہوں، عدت گذر جانے پر آپ اس سے نکاح کر لیجئے۔ لیکن مہاجر بھائی یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ خدا آپ کا مال بھی آپ کو مبارک کرے اور آپ کی بیویاں بھی آپ کو مبارک ہوں مجھے تو بازار کا راستہ بتا دیجئے۔

حضرت عبدالرحمٰن نے کچھ پنیر کچھ گھی خریدا اور شام تک خرید و فروخت کی۔ گذر کے قابل نفع کما لیا اور کچھ بچا بھی لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز میں خدا نے ان کو دولت مند کر دیا۔ کچھ مہاجرین نے دوکانیں کھول لیں[1] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کارخانہ مقام سنخ میں تھا۔ ایسے ہی اور صحابہ نے کام شروع کر دیا۔

مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار کے گھر والوں کے پاس جو زمینیں پڑی ہوئی تھیں وہ اُنھوں نے مہاجر بھائیوں کو دیدیں اور جن کے پاس زمین نہ تھی اُنھوں نے اپنے رہنے کے مکانات دیدیئے۔

---

[1] حضرت عثمان بنو قینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تجارت شروع کر دی۔

سوالات

۱. مواخاۃ کے معنی بتاؤ اور یہ بتاؤ کہ اس کی کیا ضرورت تھی۔

۲. مواخاۃ سے کیا فائدہ ہوا۔

۳. جس طرح مواخاۃ قائم کی گئی اُس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کمال ظاہر ہوتا ہے۔

۴. ایثار، خوداعتمادی اور توکل کے معنی بتاؤ۔

۵. مہاجرین کی خوداعتمادی اور خودداری کی مثال پیش کرو۔

۶. عرب میں سنہ کس طرح شروع کیا جاتا تھا۔

۷. سنہ ہجری کی تفسیر کرو اور وہ کب سے رائج ہوا۔

۸. مدینہ میں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کے مکان پر قیام فرمایا۔

۹. لہسن اور پیاز کھانا کیسا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو کبھی نہیں کھاتے تھے۔

اصحابِ صُفّہ

صُفّہ۔ سائبان کو کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد سے ملا ہوا ایک کنارہ پر چھپّر ڈال دیا گیا تھا۔ کچھ جان نثار یہاں رہتے تھے اُن کو اصحابِ صُفّہ کہا جاتا تھا۔ اُن کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ اُن کے بال بچے نہ تھے۔ اور جب شادی کر لیتے تو اس حلقہ سے نکل جاتے تھے۔

اُن میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں کبھی ساتھ مہیّا[2] نہ ہو سکیں۔ اگر چادر ہوتی تو اُس کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ گھٹنوں تک لٹک آتی۔[3]

یہ حضرات گویا طالبِ علم تھے جن کا رات دن کا مشغلہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہیں اور جو کچھ سُنیں یا دیکھیں اُسے

---

[1] جو حضرات اصحابِ صفہ میں شامل ہوئے اُن کی تعداد چار سو بیان کی گئی ہے۔ مگر ایک وقت چار سو کبھی نہیں ہوئے۔

[2] مہیّا۔ تیار، اکٹھی۔ یعنی چادر ہوتی تو تہبند نہیں اور تہبند ہوتا تو چادر نہ ہوتی۔

[3] سردیوں کے موسم میں پھونس یا پوال بچھا لیتے تھے اور اسی کو اوڑھتے تھے۔

یاد رکھیں۔ یہ قرآن شریف بھی یاد کرتے اسی لئے اُن کو قاری بھی کہا جاتا تھا۔

یہ گویا خانقاہ کے مُرید تھے جو ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رُوحانی فیض حاصل کرتے رہتے تھے۔

یہ مبلّغ بھی تھے کہ جہاں تبلیغ کی ضرورت ہوتی یہ مبلّغ بن کر جاتے۔ یہ گویا پولیس کے سپاہی بھی تھے۔ جب ضرورت پڑتی ان کو بھیج دیا جاتا۔ یہ فوجی، رضاکار بھی تھے۔ جب ضرورت ہوتی ان کو جہاد کے لئے روانہ کر دیا جاتا۔ یہ قربان ہو جاتے یا فتح حاصل کر کے واپس ہوتے۔

انہیں کاموں میں رات دن لگے رہتے۔ نہ ان کے وظیفے تھے نہ کہیں سے کھانے مقرر۔ مانگنا ان کے لئے حرام تھا۔ بچا کر رکھنا ناجائز۔ یہ فاقے پر فاقے کرتے مگر کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے۔ کبھی فرصت ملتی تو جنگل سے لکڑیاں لے آتے۔ فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کرتے اور اپنے ساتھیوں پر خرچ کر دیتے۔ رضی اللہ عنہم

سوالات

۱۔ اصحابِ صفّہ کون تھے؟

۲۔ اصحابِ صفّہ کی کتنی تعداد تھی؟

۳۔ اصحابِ صفّہ کا کیا مشغلہ تھا؟

۴۔ اصحابِ صفّہ کیا کیا خدمات انجام دیتے تھے؟

۵۔ اصحابِ صفّہ کی زندگی سے تم نے کیا سبق لیا۔ طالبِ علم اور مُرید کی زندگی کیسی ہونی چاہیئے۔

۶۔ اصحابِ صفّہ کے گذر اوقات کا کیا ذریعہ تھا؟

۷۔ صُفّہ، اصحابِ صفّہ، مہیّا، حلقہ، خانقاہ، مرید، رضاکار، ذریعہ معاش اور مستقل کے معنی اور مطلب بتاؤ۔

نئی نئی مشکلیں اور پریشانیاں

مدینہ پہونچ کر یہ فائدہ ضرور ہوا کہ مسلمان کھلے بندوں ایک جگہ مل کر بیٹھنے لگے۔ آزادی سے اپنے رب کی عبادت کرنے لگے۔ لیکن مشکلوں میں کمی نہیں ہوئی۔ بلکہ پہلے صرف مکہ کے کافر دشمن تھے اب مدینہ کے یہودی اور بڑھ گئے ایک تیسری جماعت اور پیدا ہوگئی۔ یہ منافقوں کی جماعت تھی جو ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان کہتی تھی مگر دلوں میں کفر بھرا ہوا تھا۔ یہ سب سے زیادہ خطرناک جماعت تھی۔ مکّہ کے کافروں اور مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں کا گٹھ جوڑ ہوگیا اور انہوں نے مل کر اسلام کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیا۔ دوسرے قبیلوں کو بھی اُکسایا۔ یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ سارا عرب اسلام کو کچلنے کے لئے میدان میں اُتر آیا۔

مگر مسلمان اللہ کے دین کے سچّے مددگار تھے۔ لہٰذا اللہ نے ان کی مدد کی۔ اور کامیابی کا سہرا آقاء دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے سر رہا۔

نبھاؤ کی صورتیں اور دوستی کا معاہدہ

اسلام امن کا پیغام ہے۔ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا جہاں کے لئے رحمت ہیں۔

اسلام، زور زبردستی کو کبھی بھی روا نہیں رکھتا۔ خاص کر مذہب کے معاملہ میں تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ط یعنی دین کے معاملہ میں کوئی دباؤ نہیں۔

تم نے پڑھا۔ مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم کئے گئے۔ مگر مسلمان ظلم تو کیا کرتے، کبھی انہوں نے جواب بھی نہیں دیا۔ ظلم سہتے تھے اور ظالموں کے لئے ہدایت کی دعا کرتے تھے۔

اسلام اسی شان کے ساتھ مدینہ منورہ آیا۔ اُس نے لڑنے والوں کو گلے ملایا۔ اَوس اور خزرج کی برسوں کی دشمنیاں ختم کر کے اُن کے دلوں کو پریم کا ساگر بنا دیا۔ وہ آپس میں بھائی بھائی بنے اور جو مہاجر سیکڑوں میل سے آئے تھے اُن کو بھی بھائی بنا لیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوشش کی کہ جو مسلمان نہیں ہوئے وہ بھی جنت کے اس بہتے دریا سے سیراب ہوں۔ چنانچہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے انصار اور مہاجرین میں بھائی چارہ قائم کیا ایسے ہی یہود اور مسلمانوں کے درمیان امداد باہمی[1] اور دوستی کا معاہدہ کرادیا۔

معاہدہ کا خلاصہ یہ تھا:

(۱) مسلمان اور یہود دونوں فریق اپنے اپنے مذہب میں آزاد ہوں گے۔ (۲) ہر ایک کی جان، عزت اور آبرو اور ہر ایک کا مال محفوظ رہے گا۔ (۳) آپس کے تعلقات دوستانہ ہوں گے۔ (۴) مظلوم کی امداد کی جائے گی۔ (۵) پڑوسیوں کا احترام کیا جائے گا۔ (۶) تیسرے فریق کے مقابلہ میں دونوں ایک قوم ہوں گے۔ (۷) ہر ایک پر دوسرے کی امداد لازم ہوگی۔ (۸) جو کوئی جرم کرے گا اُس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔ ایک کے جُرم اور قصور کا ذمہ دار پُوری قوم کو نہیں گردانا جائے گا[2] (۹) قریش یا قریش کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔ (۱۰) اگر ایک فریق کسی سے صلح یا معاہدہ کرلے گا تو دوسرا فریق بھی اس کا شریک مانا جائے گا۔ (۱۱) اگر کسی سے جنگ ہو تو ہر ایک فریق اپنے خرچ کا ذمہ دار خود ہوگا۔ (۱۲) آپس میں کوئی اختلاف ہو تو اُس کا آخری فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد[3] ہوگا۔

مدینہ منورہ سے ملے ہوئے یہودیوں کے تین قبیلے تھے۔ بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع۔ یہ سب اسی معاہدہ میں شامل ہوتے۔ ان کے علاوہ مدینہ منورہ کے

---

[1] امداد باہمی، یعنی ایک دوسرے کی مدد۔ آپسی مدد۔

[2] ذاتی جھگڑے کو فرقہ وارانہ جھگڑے کی صورت نہیں دی جائے گی۔

[3] سیرۃ ابن ہشام ص۳۰۱ تا ص۳۰۳۔ ج ۱

آس پاس جو اور قبیلے آباد تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن[۱] سے بھی ایسے ہی معاہدے کیے۔ لیکن ابھی دو ایک قبیلوں سے ہی معاہدہ ہونے پایا تھا کہ قریش کے کافروں نے عرب کے تمام قبیلوں کو اسلام کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔

اگر قریش کی طرف سے یہ طوفان نہ اُٹھایا جاتا اور امداد باہمی اور صلح و دوستی کے معاہدوں کا جو سلسلہ قائم کیا تھا وہ پُورا ہو جاتا تو تلوار کی نوبت نہ آتی۔

سوالات

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مدینہ میں کیا سہولت حاصل ہوئی اور کیا کیا مشکلات پیدا ہو گئیں؟

(۲) منافق کا مطلب سمجھاؤ اور بتاؤ کہ یہ کون لوگ تھے؟

(۳) مدینہ پہونچ کر دوسرے فرقوں کے ساتھ نبھاؤ کی کیا صورت اختیار کی گئی؟

(۴) کیا مذہب کے بارہ میں دباؤ ڈالنا درست ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن شریف کی تعلیم کیا ہے؟

(۵) اسلام کس چیز کا پیغام ہے؟

---

[۱] ہجرت کے پہلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ودّان تشریف لے گئے اور قبیلۂ بنی حمزہ، بن بکر کو اس معاہدہ میں شریک کیا۔ عمرو بن مخشی ضمری نے اپنے قبیلہ کی طرف سے عہدنامہ پر دستخط کئے۔ دوسرے سال ماہ ربیع الاوّل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رضوی تشریف لے گئے۔ اور اُن قبائل کو جو بواط کی گھاٹیوں میں رہا کرتے تھے معاہدہ میں شریک کیا۔ اسی سال جمادی الاخریٰ میں ذی العشیرہ تشریف لے گئے جو ینبوع اور مدینہ کے درمیان ہے وہاں بنو مدلج سے معاہدہ کر کے واپس تشریف لائے۔

(زاد المعاد، صـ۳۴)

قریش اور مسلمان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے بچ کر نکل جانا اسلام کی جیت اور قریش کی ہار تھی لیکن قریش نے ہمت نہیں ہاری۔ بلکہ اسلام کو ختم کرنے کے لئے پہلے سے زیادہ مستعد ہو گئے نئے منصوبے طے کئے اور چستی سے ان پر عمل شروع کر دیا۔ مثلاً:

(۱) اوس اور خزرج جو یثرب (مدینہ) کے سب سے بڑے قبیلے تھے اور قریش کے پیرو تھے یعنی ان کی طرح مشرک تھے اُن پر زور ڈالا اور آخر میں دھمکی بھی دی کہ مسلمانوں کو وہاں ٹھیرنے نہ دیں اور محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو مکہ کے رہنے والے اور ہماری برادری کے آدمی ہیں ان کو قریش کے حوالے کر دیں۔ ورنہ قریش کے بہادر مدینہ پہنچیں گے وہاں کے نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیں گے اور عورتوں کو باندیاں بنالیں گے۔

لیکن مشکل یہ تھی کہ اوس اور خزرج ہی کے بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ جو ایک دوسرے کے رشتہ دار تھے۔ کسی کا بیٹا مسلمان ہو گیا تھا کسی کا بھائی یا داماد یا کوئی اور عزیز و قریب۔ اگر ان قبیلوں کے کچھ لوگ حوالہ کرنے کے لئے آمادہ ہو[illegible] ان کے عزیز و قریب ہی جو مسلمان ہو چکے تھے

آڑے آتے اور گھر گھر میں لڑائی چھڑ جاتی۔

(۲) جب یہ بات نہ چلی اور دھمکی کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو ان کا مکہ میں داخلہ بند کر دیا۔ حالانکہ مکہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا شہر تھا۔ ہر ایک کو حق تھا کہ جب چاہے مکہ میں جائے اور اپنے قاعدہ کے مطابق اپنے دیوتاؤں کی پوجا کرے۔ خانہ کعبہ کا طواف کرے مگر قریش نے اعلان کر دیا کہ اوس یا خزرج کا کوئی شخص مکہ میں آئے گا تو زندہ نہیں جا سکے گا۔

(۳) ان قبیلوں کے علاوہ جو یہودی تھے اُن کو اُکسایا کہ تمہارے پاس ہر طرح کی طاقت ہے۔ تمہارے نوجوان لڑنا جانتے ہیں۔ تم قلعوں کے مالک ہو۔ تم اپنی طاقت سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نکال دو۔ ورنہ ہم تم پر حملہ کریں گے اور تمہاری عورتوں کے پازیب اتار کر چھوڑیں گے۔

(۴) حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کی سازش کی۔ چنانچہ مکہ کے ایک شخص "عُمیر" کو اسی مقصد سے مدینہ بھیجا۔ مگر وہ کامیاب نہیں ہوا۔

(۵) ان تمام کارروائیوں کے ساتھ باقاعدہ جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ عام چندہ کیا جس میں ہر شخص سے زیادہ سے زیادہ وصول کیا پھر یہ سرمایہ ایک تجارتی قافلہ کے سپرد کیا جس کا سردار ابوسفیان کو بنایا گیا تھا کہ شام سے نفع والا مال لا کر فروخت کرے اور اس سرمایہ میں اضافہ کرے تاکہ لڑائیوں کا خرچ چلے۔

غزوۂ[1] بدر

رمضان سنہ ۲ھ

مدینہ سے تقریباً اسّی میل کے فاصلہ پر جہاں سے ایک راستہ شام کو جاتا تھا ایک کنواں تھا جس کو "بدر" کہا جاتا تھا اسی کے نام سے وہاں ایک گاؤں آباد تھا اور سال کے سال وہاں ایک میلہ لگتا تھا یہ جنگ اسی موقع پر ہوئی تھی اسی لئے اس کو جنگ بدر کہا جاتا ہے۔

ابوسفیان جو تجارتی قافلہ لے کر شام گیا تھا جب وہ واپس ہو رہا تھا تو اُس نے اپنا آدمی مکہ بھیجا جو ننگے تھلے، اُلٹے منہ، ناک کٹی اونٹنی پر سوار چیختا ہو

---

[1] "غزوہ" یعنی جنگ اور لڑائی اور سیرۃ پاک کے سلسلہ میں غزوہ اُس معرکہ کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک رہے ہوں اور اگر صرف صحابہ شریک رہے وہی افسر اور وہی مجاہد تو اس کو "سریّہ" کہتے ہیں۔ غزوہ کی جمع غزوات، سریہ کی جمع سرایا۔ غزوات کی کُل تعداد ۲۲ ہے۔ اور سرایا ۴۳۔

ان سب میں کشت و خون نہیں ہوا بلکہ بہت سے ایسے ہیں کہ ان میں معاملہ بات چیت سے طے ہو گیا۔ مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔

(باقی صـ۲۵ پر)

پورے مکہ میں گھوم گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُس کے قافلہ پر ڈاکہ ڈال دیا۔

مکہ والے یہ خبر سنتے ہی بھڑک[۱] اُٹھے اور صرف تین دن کے اندر ایک لشکرِ جرار تیار کرلیا۔ مکہ کے سب ہی بڑے بڑے سردار اس میں شریک ہوئے۔ ہر ایک کے پاس ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر سازوسامان تھا۔ بڑے جوش و خروش اور بڑی شان کے ساتھ یہ فوج اکڑتی، اتراتی ہوئی، باجے بجاتی مکہ سے روانہ ہوئی۔ کہ مدینہ پہنچ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے ساتھیوں کا قلع قمع کردیں گے اور پورے عرب کو دکھادیں گے کہ ہماری شان کیا ہے؟

فوج کے رئیس سردار اپنی شانِ ریاست الگ دکھا رہے تھے۔ روزانہ کسی ایک سردار کی طرف سے پوری فوج کی دعوت ہوتی تھی۔ جس کے سورماؤں کی گنتی

(بقیہ حاشیہ صـ۲۳) ۲ـہ عربی محاورات میں ایک لفظ ہے "النذیر العریان" آگاہ کرنے والا برہنہ بدن۔ اس کا ترجمہ ہے۔ ابوسفیان نے اس محاورہ کو عملی جامہ پہنایا۔ ایک شخص کو جو ضمضم بن عمرو غفاری کہلاتا تھا۔ سونے کے بیس مثقال دیئے جن کا وزن ساڑھے سات تولہ ہوتا تھا۔ یعنی تقریباً نوے گرام۔ اور اس کو یہ ہدایت کی کہ وہ فوراً مکہ پہنچ کر اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دے کپڑے پھاڑ کر برہنہ ہوجائے اور اونٹ پر اُلٹا بیٹھ کر منہ دُم کی طرف ہو۔ پورے مکہ میں شور مچا" ہوا گھوم جائے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابوسفیان کے قافلہ پر حملہ کردیا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) ۱ـہ مذہبی تعصب کے علاوہ بھڑک اُٹھنے کا سبب یہ بھی تھا کہ اس قافلہ کے پاس وہ سرمایہ تھا جو مکہ والوں نے جنگ کے لئے جمع کیا تھا۔ اور اس کے علاوہ اور بھی مکہ کے بہت سے بڑے لوگوں کے تجارتی مال تھے۔

ایک ہزار سے صرف پچاس کم تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ (یثرب) پہنچ کر یثرب کے تمام قبیلوں، آس پاس کے یہودی قبیلوں اور اُن کے علاوہ اور بھی قبیلوں سے جو آس پاس آباد تھے۔ معاہدے کر لئے تو اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی یا اپنے خاندان یا صرف مسلمانوں کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں رہے بلکہ مسلمانوں کی طرح آپ اُن تمام قبیلوں اور آبادیوں کے بھی ذمہ دار ہو گئے تھے جن سے معاہدے کئے تھے۔ آپ پر لازم ہو گیا تھا کہ ان کی حفاظت کریں اور اگر کوئی خطرہ آنے والا ہو تو پہلے ہی سے اس کو دفع کرنے کی تدبیر کریں۔

یہ تجارتی قافلہ جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام گیا تھا مسلمانوں اور ان سے معاہدہ کرنے والوں کے لئے بہت بڑا خطرہ تھا۔ کیونکہ اس کا مقصد یہی تھا کہ سرمایہ زیادہ سے زیادہ ہو جس سے وہ لڑائی کی تیاری زیادہ سے زیادہ کر سکیں اور مسلمانوں اور اُن کے ساتھیوں کو کچل سکیں۔

مدینہ (یثرب) شام کے راستہ میں پڑتا تھا اور یہی راستہ قریب تھا۔ جانے کے وقت اس قافلہ کی خبر مسلمانوں کو نہیں ہوئی لیکن جب اس کے واپس ہونے کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا راستہ روکنے کے لئے روانگی کا حکم دفعتہً دے دیا۔ چنانچہ جتنے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اس وقت مدینہ میں تھے۔ جس حال میں تھے نکل کھڑے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

قافلہ کو "بدر" ہوکر جانا چاہیئے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کے ساتھ اسی طرف روانہ ہوئے۔ اور کئی منزلیں طے کرلیں۔ لیکن جب بدر کے قریب پہنچے تو عجیب صورت سامنے آئی کہ چالاک ابوسفیان تو راستہ بدل کر نکل گیا تھا۔ البتہ قریش کا لشکر جرار جو ابوسفیان کی اشتعال انگیز خبر پر پوری طرح تیار ہوکر پورے جوش کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا تھا۔ سامنے آگیا تھا۔

غور و فکر، موازنہ مشورہ اور فیصلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی مدینہ منورہ سے جنگ کے ارادہ سے نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے جنگ کے اوزار بھی نہیں لئے تھے جو ہاتھ لگ گیا تھا لے لیا تھا۔ جو ساتھ ہوئے ان کی گنتی بھی تین سو تیرہ تھی جن میں چودہ۔ پندرہ سال کے دو لڑکے بھی تھے۔ ہر ایک کے پاس پورے ہتھیار تو درکنار پورے کپڑے بھی نہیں تھے۔ کسی کے گلے میں کرتہ اور کوئی ننگی پیٹھ۔ کسی کے ہاتھ میں نیزہ، برچھی کوئی صرف لاٹھی لئے ہوئے۔ گھوڑے دو یا تین۔ اونٹ صرف ستر جن پر باری باری سوار ہوتے تھے۔

ان حضرات میں زیادہ تعداد مدینہ کے اصلی باشندوں یعنی حضرات انصار[1] کی تھی (رضی اللہ عنہم اجمعین) حضرات انصار نے یہ عہد کیا تھا کہ مدینہ پر حملہ ہو تو وہ سردار دو جہاں اور اُن کے ساتھیوں کی حفاظت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردیں گے لیکن مدینہ سے باہر حملہ کرنے یا لڑنے کا ان سے معاہدہ نہیں ہوا تھا۔

اس وقت مقابلہ مدینہ سے باہر کئی منزل کے فاصلہ پر تھا۔ اور مقابلہ ان سے

---

[1] حضرات مہاجرین صرف ستر تھے۔ باقی حضرات انصار تھے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

تھا جو ہر طرح زیادہ اور طاقتور۔ جن کے لڑنے والوں کی تعداد ایک ہزار (ایسے صرف پچاس کم) ہر ایک کے پاس پورے ہتھیار، ہر ایک کے سر پر خود۔ آہنی زرہ گویا لوہے میں ڈوبا ہوا۔ سو سواروں کا بڑا شاندار رسالہ۔ بہرحال جنگ کے لئے ایک اور دو کا تناسب ہو تب بھی مقابلہ کا حکم دیا جا سکتا ہے مگر یہاں تناسب کا کوئی سوال ہی نہیں۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری سمجھا کہ مشورہ فرمائیں۔ چنانچہ اجتماع ہوا۔ انصارؓ اور مہاجرینؓ سب ہی شریک ہوئے۔ حضرات مہاجرینؓ نے مقابلہ کے لئے پوری آمادگی کا اظہار کیا۔ اور جاں نثارانہ تقریریں کیں مگر اس وقت زیادہ تر حضرات انصارؓ کی رائے اور اُن کی آمادگی کی ضرورت تھی۔ حضرات انصارؓ نے خود بھی اس کو سمجھا۔ چنانچہ ان کے سردار بھی کھڑے ہوتے اور اس جذبہ کے ساتھ کہ ایک نے فرمایا۔ "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف اشارہ کی دیر ہے آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں گھوڑے ڈال دیں۔ دوسرے صاحب نے بڑے ولولہ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم جاں نثار ہیں، قربان ہونے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح نہیں کہہ سکتے کہ "آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں ہم تو یہیں رہیں گے"۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم زندہ ہیں کہ آپ کے دائیں بھی لڑیں گے بائیں بھی، آگے بھی اور پیچھے بھی۔

حضرات انصارؓ کے نمائندوں کی تقریروں سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک چمک اٹھا اور جنگ کے لئے تیاری شروع کر دی گئی۔ مقابلہ

ہوا بڑی قوت سے اور بڑی شدت سے مقابلہ ہوا۔ تفصیل آپ بڑی کتابوں میں پڑھیں گے۔

مختصر یہ کہ مقابلہ اس طرح ختم ہوا کہ مٹھی بھر تین سو تیرہ جو بے بس، بے سہارا پھٹے حال تھے وہ غالب تھے ان میں سے صرف چودہ شہید ہوئے آٹھ انصارؓ اور چھ مہاجرین۔ اور وہ جو بڑی شان کے ساتھ اکڑتے ہوئے آتے تھے ان میں سے ستر مارے گئے، ستر گرفتار ہوئے باقی فرار ہو گئے۔

ابو جہل۔ عتبہ۔ شیبہ۔ اُمیہ بن خلف وغیرہ قریش کے سرتاج جو بہادری میں بھی نامور تھے ایک ایک کر کے مارے گئے۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ رمضان المبارک کی ۱۷ تاریخ، قرآن حکیم میں اس کو "یوم الفرقان" فرمایا گیا ہے۔ یعنی ایسا دن جس میں حق اور باطل جدا جدا ہو کر سامنے آ گئے۔ اور ہدایت اور گمراہی کا دو ٹوک فیصلہ ہو گیا۔

امداد غیبی | اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ جس طرح مسلمانوں کے حوصلے بڑھائے اور ان کے دل مضبوط کئے اور اسی طرح اور غیبی امدادیں جو اس جنگ میں ہوئیں ان کی تفصیل بڑی کتابوں میں مطالعہ کیجئے۔ صرف ایک غیبی مدد کی کچھ تفصیل آپ یہاں پڑھ لیجئے۔

قریش جو اس مقام پر پہلے پہنچ چکے تھے انہوں نے اس میدان کے سب سے اچھے حصہ میں اپنے خیمے گاڑ چکے تھے وہاں ریت زیادہ نہیں تھا۔ اور اس حصہ میں پانی کا چشمہ بھی تھا۔ مسلمانوں کو جو جگہ ملی وہ ریتلی تھی جس میں چلنا پھرنا مشکل تھا۔ پاؤں دھنسے جاتے تھے۔ پانی کا نام و نشان نہیں تھا۔ مسلمانوں کو رات دن

سفر کرتے اور چلتے چلتے کئی دن ہو گئے تھے۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ بدن گرد سے اٹ گئے۔ بُری حالت ہو گئی تھی۔ ایسی حالت میں کہ پریشانی بھی تھی لہٰذ تھکن بھی تنگی اور بے سروسامانی کی مشکلات الگ چھائی ہوئی تھیں۔ تعداد کم اور جو جگہ میسر آئی وہ خراب، مگر جب مسلمانوں نے ہمت کرکے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے حق کی حمایت کے لئے جانیں قربان کر دینے کا فیصلہ کر لیا تو "امداد غیبی" اس طرح ظاہر ہوئی کہ بادل اُٹھا۔ ٹھنڈی ہوا چلی زور کی بارش برس گئی۔ ریت دب گیا۔ گرد جم گئی۔ چلنا پھرنا آسان ہو گیا۔ مسلمانوں نے جگہ جگہ پانی روک کر حوض بنا لئے۔ خوب نہائے دھوئے ٹھنڈے ہو گئے۔ تھکن جاتی رہی۔ ہشاش بشاش رات کو آرام سے سوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات ہی کو صف بندی فرمادی۔ یعنی یہ مقرر کر دیا کہ مقابلہ کے وقت کس کو کہاں کھڑا ہونا چاہیئے۔ اور کیا کرنا چاہیئے۔

دوسری طرف جہاں قریش کا لشکر تھا۔ کیچڑ ہو گیا۔ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ اُنہیں پانی روکنے کی بھی نہ سوجھی۔ یہ رات اُن کے لئے پریشانی کی گذری۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے ہوتی ہے

مسلمان اگرچہ تھوڑے ہیں اور بے سروسامان مگر اُن کے حوصلے بلند ہیں اور انہوں نے انہیں حوصلوں کے ساتھ بڑی مضبوطی سے بڑھ بڑھ کر جان نثار کر دینے اور قربان ہو جانے کا وعدہ کیا ہے۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی یہ مدد آنکھوں کے سامنے آچکی ہے کہ بارانِ رحمت نے کایا پلٹ دی۔ مسلمانوں کو تازہ دم کر دیا اور مشرک گویا دَل دَل میں پھنس چکے ہیں۔

مگر مسلمانوں کے آقا و سردار دو جہاں کی نظر ان باتوں پر نہیں۔ آپ کی نظر

صرف خدا پر ہے اور اُس کی قدرت کاملہ پہ، اور یہ کہ وہ جو چاہے کرتا ہے اُس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ کوئی ٹوک نہیں سکتا۔ چنانچہ صبح کے وقت میدان میں دونوں فریق پہنچ رہے ہیں۔ مگر محبوب رب العالمین اس چھوٹے سے ڈیرہ میں جو آپ کے لئے کھڑا کر دیا گیا تھا۔ بارگاہِ رب العالمین میں مصروف دعا ہیں۔ اور ایسے محو کہ ردا در مونڈھے سے گر گئی۔ مبارک کندھے کھُل گئے مگر آپ کو اس کی خبر تک نہیں ہوئی۔ دعا یہ ہے۔

"خداوندا یہ مٹھی بھر تیرے نام لیوا اگر آج ختم ہو گئے تو پھر اس سرزمین پر تیری عبادت قیامت[1] تک نہ ہوگی۔"

کبھی دونوں ہاتھ پھیلا کر عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے آج اُسے پورا فرما۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حاضر ہوتے ہیں۔ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی دعا قبول ہو چکی۔ تشریف لے چلئے۔ میدانِ جنگ میں مجاہدین حق کی رہنمائی فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اُس پر مکمل بھروسہ کی ایک مثال یہ ہے کہ دو مسلمان[2] مکہ سے آ رہے تھے۔ راستہ میں مشرکین نے ان کو روک لیا۔ انہوں نے

---

[1] کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کی اُمت آخری اُمت۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی نہ کوئی اُمت۔

[2] حضرت ابوحذیفہ بن الیمان اور حضرت ابو سہل (رضی اللہ عنہما)

وعدہ کرلیا کہ وہ لڑائی میں شریک نہ ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس آئے یہ واقعہ بیان کیا۔ فرمایا۔ "وعدہ پورا کرو" ہمیں صرف خدا کی مدد درکار ہے

قیدی اور اُن کی رہائی

ستّر قیدیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
حقیقی چچا حضرت عباس اور بڑے داماد ابوالعاص
بھی تھے۔ لیکن معاملہ سب کے ساتھ یکساں تھا یہاں کلاسوں کا فرق بھی
نہیں تھا۔

ایک سوال یہ پیش آیا کہ قیدیوں کو قتل کیا جائے۔ یا فدیہ (بھینٹ)
لے کر چھوڑ دیا جائے۔ بالآخر یہ طے پایا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ یہاں امیروں
اور غریبوں میں فرق کیا گیا۔ امیروں سے زیادہ فدیہ لیا گیا غریبوں سے کم اور جو لکھنا
پڑھنا جانتے تھے اُن کا یہ فدیہ قرار دیا گیا کہ دس دس بچّوں کو پڑھائیں۔

یہ سزا بھی عجیب اور مشقت بھی عجیب اور جو غریب لکھنا پڑھنا بھی نہیں
جانتے تھے اُن کو یوں ہی چھوڑ دیا۔

قیدیوں کے ساتھ برتاؤ

اس زمانہ میں کوئی جیل خانہ نہیں تھا۔ قیدیوں
کو رسیوں یا چمڑے کے تسموں میں باندھ کر
کوٹھری میں بند کر دیا کرتے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں
کو تقسیم کر دیا۔ دو دو چار چار قیدی ایک ایک صحابی کو دے دیئے گئے کہ اپنی نگرانی میں
رکھیں اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھیں۔

صحابہ نے ان قیدیوں کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود
کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔ ان قیدیوں میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

کے بھائی ابو عزیز بھی تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں رکھا تھا جب صبح و شام کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اُٹھا لیتے تھے۔ مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی اُن کے سامنے رکھ دیتا۔ لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھ کو واپس دے دیتے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو کپڑے دلوائے۔

غزوۂ بدر کے بعد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ واپس پہنچے تو آپ کی صاحبزادی رقیہؓ کو دفن کر کے لوگ واپس ہو رہے تھے۔

یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ عرصہ سے بیمار تھیں اور انہیں کی تیمارداری کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں ساتھ نہیں لے گئے تھے۔

ہارے ہوئے قریش مکہ معظمہ واپس پہونچے تو گھر گھر ماتم تھا۔ کیونکہ اُن کے مذہب کی ہار ہوئی تھی۔ مذہبی دیوتاؤں کی ہار ہوئی تھی۔ اور تین کے سوا سارے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے۔

عرب مرنے والوں کا ماتم بڑے دھوم دھام سے کیا کرتے تھے لیکن یہ بھی آن تھی کہ ہار جانے کے بعد جب تک بدلہ نہ لے لیں ماتم نہیں کیا کرتے تھے۔ کہ

دشمن کو خوشی ہو گی۔ اس لئے مکہ میں ممانعت کر دی گئی کہ بدر میں مرنے والوں کا ابھی ماتم نہ کیا جائے۔

ابوسفیان کی لیڈری ـ اب قریش کا سب سے بڑا شخص ابوسفیان تھا۔ لہٰذا اس کو سردار بنایا گیا۔

ابوسفیان کا عہد اور ستو والی لڑائی ابوسفیان نے عہد کیا کہ جب تک بدر میں قتل ہونے والوں کا بدلہ نہ لے گا نہ غسل کرے گا نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ چنانچہ دو سَو ناقہ سواروں کو لے کر مدینہ کی طرف کوچ کیا۔ اور "عریض" پر جو مدینہ کے قریب[۱] ایک مقام کا نام ہے۔ چھاپہ مارا ایک[۲] انصاری کو جو وہاں موجود تھے شہید کر دیا۔ چند مکان اور گھاس کے انبار جلا دیئے۔ ان باتوں سے اُن کے نزدیک قسم پُوری ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے فوراً صحابہ کی چھوٹی سی جماعت کو لے کر پیچھا کیا۔ ابوسفیان کو آپ کی روانگی کا پتہ چلا تو سر پر پاؤں رکھ کر بڑی تیزی سے بھاگا۔ گھبراہٹ میں ستو کے بورے جو اُس کے ساتھ تھے بار معلوم ہونے لگے اُن کو پھینکتا گیا۔ یہ بورے مسلمانوں کے ہاتھ آئے[۳]

---

[۱] یعنی مدینہ منورہ سے تقریباً ۳ میل۔

[۲] اُن کا نام نامی سعد بن عمرو تھا۔

[۳] عرب میں ستو کو سویق کہتے ہیں اس لئے اس جنگ کا نام غزوۂ سویق ہے۔

نکاح زہرا رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمہ زہراء اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ[2] کا نکاح بھی اسی سال یعنی ہجرت سے دوسرے سال ہوا۔

حضرت فاطمہ زہراء رضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ شادی کے وقت آپ کی عمر ۱۸ سال تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عمر تقریباً ۲۵ سال۔

مہر پانسو درہم مقرر ہوا۔ یعنی تقریباً ایک سو بتیس تولہ چاندی[3]۔ مہر فاطمی اسی کو کہا جاتا ہے۔

---

[1] زہراء کے معنی ہیں روشن اور پُر رونق۔ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا خطاب ہے۔

[2] کرم اللہ وجہہٗ کے معنی بزرگ کرے اللہ اُن کی ذات کو۔ یہ دعا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص طور سے دی جاتی ہے۔ جب اُن کا نام لیا جاتا ہے۔ جیسے اور صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے یہ سب دعائیں ہیں رضی اللہ عنہ کے معنی ہیں کہ اللہ اُن سے خوش ہوا اور صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو آپ پر اور اللہ کا سلام نازل ہو۔

[3] زکوٰۃ کا نصاب دوسو درہم ہے جس کے ساڑھے باون تولہ یا ۵۲ تولے ہوتے ہیں۔ لہٰذا پانسو درہم کے تقریباً ایک سو بتیس تولے یا ایک سو بتیس تولے ہوں گے۔

جہیز

شاہِ دوجہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی صاحبزادی کو جو جہیز دیا اس کی تفصیل یہ ہے۔ بانوں کی چارپائی۔ چمڑے کا گدّا جس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک چھاگل۔ ایک مشک۔ دو چکّیاں اور دو مٹی کے گھڑے۔

علیحدہ مکان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ شادی کے وقت ایک گھر لے لیا۔ سیّدہ زہراء رضی اللہ عنہا وہاں تشریف لے گئیں۔

مکان کا سامان

ایک زرہ جس کی قیمت تقریباً سوا روپیہ، ایک اونٹ کی کھال۔ ایک پرانی یمنی چادر۔ یہ کل سرمایہ تھا، اس بانکے دولہا کا جس کے نام نامی پر اربوں مسلمانوں کی جانیں قربان۔

خانہ داری کے فرائض

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے اور آپ نے دولہا دلہن کے کام تقسیم کر دیئے۔ گھر کے تمام کام دلہن کے ذمّہ کئے اور باہر کے کام دولہا کے سپرد کئے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خود ہی جھاڑو دیتی تھیں۔ جلانے کے لئے پتّے اور ایندھن اور جب اونٹنی لے لی گئی تو اس کا چارہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی لاتی تھیں اور خود مشکیزہ میں پانی بھر کر لاتی تھیں جس کی وجہ سے مونڈھے پر گھٹہ پڑ جاتا تھا۔

رمضان شریف اور صدقۂ فطر

رمضان شریف کے روزے اسی سال فرض ہوئے۔ صدقۂ فطر کا حکم بھی اسی

سال ہوا۔ عید کی نماز بھی پہلی مرتبہ اسی سال ادا کی گئی۔ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ[1] قرار دیا گیا

سوالات

۱۔ جنگِ بدر کب ہوئی اور کیوں ہوئی؟
۲۔ بدر کیا ہے اور کہاں ہے؟
۳۔ مشورہ کے وقت انصار نے کیا کہا؟
۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیت کے ساتھ انصار کے جواب کے کیوں منتظر تھے؟
۵۔ جنگِ بدر میں مسلمان کتنے تھے اور مقابل میں کتنے؟
۶۔ مسلمانوں کے پاس کیا سامان تھا؟
۷۔ جنگِ بدر کا کیا نتیجہ رہا۔ کتنے مسلمان شہید ہوئے اور اُن کے مقابل کتنے مارے گئے اور کتنے گرفتار ہوئے؟
۸۔ جنگ کے قیدیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا؟
۹۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کون تھیں۔ اُن کی وفات کب ہوئی؟
۱۰۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جنگِ بدر میں کیوں شریک نہیں ہو سکے:
۱۱۔ جنگِ بدر کے بعد قریش کا سردار کس کو بنایا گیا؟
۱۲۔ غزوۂ سویق کب ہوا۔ اس میں مسلمانوں کا کیا نقصان ہوا۔ اور اس کو غزوۂ سویق کیوں کہتے ہیں؟
۱۳۔ مہرِ فاطمی کیا ہے؟
۱۴۔ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح کب ہوا؟
۱۵۔ حضرت فاطمہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا جہیز دیا؟
۱۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر نکاح کے وقت کیا تھی۔ آپ کے مکان میں کیا کیا سامان تھا؟

---

[1] قبلہ وہ رُخ جس کی طرف نماز پڑھی جائے۔ پہلے مسلمان بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس سال حکم ہوا کہ خانۂ کعبہ کے رُخ پر نماز پڑھا کریں۔

جنگِ اُحدؔ[1]

ماہِ شوال ۳ھ

جنگِ بدر میں قریش کے بڑے بڑے سردار اور نامور بہادر مارے گئے. قریش کو اس کا رنج اور غصہ تھا اور سارا مکہ گویا جوشِ انتقام[2] اور آتشِ غضب[3] کا تنور بنا ہوا تھا. مرد تو مرد عورتیں بھی لڑائی کے لئے بے چین تھیں[4]

لڑائی کی تیاری تو جنگِ بدر کے فوراً بعد ہی شروع ہو گئی تھی چنانچہ ابوسفیان

---

[1] اُحد ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے اُتر (شمال) کی جانب تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے یہ لڑائی اسی پہاڑ کے نیچے ہوئی اسی لئے اس کو جنگِ اُحد کہتے ہیں.

[2] جوشِ انتقام، بدلہ کا جوش

[3] آتش. آگ. غضب. غصہ. آتشِ غضب، غصہ کی آگ

[4] کچھ تو مذہبی جوش اور زیادہ تر اس بنا پر کہ اُن کے عزیز مارے گئے تھے اور چونکہ ممانعت تھی کہ کوئی اپنے مرنے والے پر گریہ نہ کرے. تو صدمہ نے اندر اندر غصہ اور جوش کی آگ سلگا رکھی تھی. اب ہر عورت کا جذبہ یہ ہو گیا کہ موقع ملے تو دشمنوں کو چبا ڈالے. چنانچہ احد کی لڑائی میں اس کا ظہور ہوا. تفصیل آگے آئے گی.

کا تجارتی قافلہ جو نفع کما کر لایا تھا وہ لڑائی کے فنڈ میں جمع کرایا گیا تھا۔ اُس کے بعد یہ فنڈ دن بدن بڑھتا رہا اور لڑائی کے انتظامات مکمل کئے جاتے رہے۔ بڑے بڑے مُقرِّر مقرر کئے گئے جن کی تقریریں آگ برساتی تھیں۔ شاعر منتخب کئے گئے جو قومی نظموں اور ترانوں سے جذبات اُبھارتے اور جنگ جو نوجوانوں کو مست کر دیتے تھے۔ عورتیں مقرر کی گئیں کہ میدانِ جنگ میں دف بجا کر گائیں۔ اور مردوں کو غیرت دلائیں۔

جب سارا سامان مکمل ہو گیا تو چار ہزار بہادر نوجوانوں کی فوج لے کر ابو سفیان مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپ نے نماز جمعہ کے بعد صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ مقابلہ کس طرح ہو اور کہاں ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ صحابہ کی رائے یہ تھی کہ عورتوں کو مدینہ منوّرہ سے باہر محفوظ جگہ بھیج دیا جائے۔ مرد مدینہ میں رہیں اور یہیں سے مقابلہ کریں۔ منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبیّ نے بھی یہی رائے پیش کی۔ لیکن اکثر صحابہ جن میں خصوصیت سے وہ نوجوان پیش پیش تھے جن کو حسرت تھی کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے اُن کا اصرار یہ تھا کہ شہر سے نکل کر کُھلے میدان میں مقابلہ کریں۔ شہر بند ہو کر مقابلہ کرنے میں ہماری بدنامی[1] ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ زیادہ میلان اسی طرف ہے تو آپ مکان

---

[1] کیونکہ جب مقابلہ کی پوری طاقت نہیں ہوتی اس وقت ایسا کیا جاتا ہے۔

میں تشریف لے گئے۔ اور ہتھیار پہنے، مکان میں تشریف لے جانے کے بعد صحابہ کو خیال ہوا کہ ہمارا اصرار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف ہے تو شرمندہ ہوئے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہتھیار لگا کر باہر تشریف لائے تو ادب سے عرض کیا کہ حضرت! ہم مرضی کے خلاف کوئی اصرار کرنا نہیں چاہتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نبی ہتھیار باندھ لیتا ہے تو جب تک لڑائی سے فراغت نہ ہو جائے ہتھیار کھولا نہیں کرتا۔

تعداد اور سامانِ جنگ

قریش کے ساتھ تین ہزار سانڈنی سوار تھے۔ دو سو گھوڑے اور سات سو زرہ پوش تھے۔

اسلامی لشکر کی تعداد صرف ایک ہزار تھی۔ عین وقت پر عبداللہ بن اُبی نے دغا کی اور اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس ہو گیا اور بہانہ یہ کیا کہ: "میری رائے نہیں مانی گئی، اس لئے واپس جاتا ہوں۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سات سو صحابہ رہ گئے۔ ان میں سے ایک سو زرہ پوش تھے۔

بچوں کا شوقِ جہاد

لڑائی سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا جائزہ لیا۔ جو کم عمر تھے وہ واپس کر دیئے گئے۔ مگر خدا

ے لڑنے والے جوانوں کی یہ تعداد تھی، اُن کے ساتھ نوکر چاکر اور غلام بھی تھے ان سب کی تعداد پانچ ہزار ہوتی تھی۔ اسی بنا پر بعض روایتوں میں پانچ ہزار کی تعداد آئی ہے۔

کے نام پر قربان ہونے کے شوق کا یہ عالم تھا کہ جب "رافع بن خدیج" سے کہا گیا کہ تمہاری عمر کم ہے، واپس جاؤ۔ تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا ہو جائے۔ چنانچہ اُن کی یہ ترکیب چل گئی اور وہ لے لئے گئے۔ ایک دوسرے نوجوان "سمرہ" جو حضرت رافع کے ہم عمر تھے اُنہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ میں رافع کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں اس لئے اگر ان کو اجازت ملتی ہے تو مجھے بھی اجازت ملنی چاہیئے۔ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا۔ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ لیا۔ لہٰذا ان کو بھی اجازت مل گئی۔

صف بندی اور تیاری

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچ گئے تھے اور کوہِ اُحد پر پڑاؤ ڈال لیا تھا۔ اُن کے ساتھ مدینہ کا مشہور آدمی[1] ابو عامر بھی تھا۔ اُس نے میدان میں کئی جگہ گڑھے

---

[1] ابو عامر قبیلۂ اوس کا سردار تھا۔ مدینہ میں اس کا بہت زیادہ اثر تھا۔ لوگ اس کو راہب کہا کرتے تھے۔ اسلام سے پہلے مدینہ والوں کا خیال تھا کہ اوس و خزرج کا متفقہ سردار بنا لیا جائے۔ چنانچہ اس کی تدبیریں ہو رہی تھیں اور کامیابی کی یہاں تک توقع تھی کہ اس کے لئے ایک تاج بھی بنوا لیا گیا تھا۔ مگر جب اسلام پھیلنا شروع ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر اوس اور خزرج کے دونوں قبیلے آپ کی غلامی میں جوق جوق شامل ہونے لگے تو حسد نے ابو عامر کا دماغ خراب کر دیا وہ جلن مدینہ سے نکل گیا اس وقت وہ قریش کے ساتھ آیا تھا اُس کو خیال تھا کہ جب میں مدینہ والوں کے سامنے پڑوں گا تو وہ میرے ساتھ ہو لیں گے اسی اُمید پر قریش والے اُس کو اپنے ساتھ لائے تھے لیکن اس وقت اس سے کسی نے بات کرنا بھی گوارا نہ کیا۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۶۹

کھدواکر اُن کو پتلی پتلی لکڑیوں سے پٹوادیا تھا اور لکڑیوں پر مٹی بچھا کر زمین کی برابر کر دیا تھا تاکہ بے خبری میں جب مسلمان وہاں پہونچیں تو گڑھوں میں گر جائیں۔

بہرحال سنیچر کے روز مقابلہ ہوا۔ قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے پوری ہوشیاری اور ہنرمندی سے صفیں کھڑی کیں۔ اسلامی فوج اس طرح کھڑی ہوئی کہ اُحد کا پہاڑ پشت پر تھا اور چونکہ اس طرف سے دشمن کا خطرہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیراندازوں کا دستہ اس طرف مقرر فرمادیا تھا۔ اور یہ تاکید فرمادی تھی کہ مسلمان ہاریں یا جیتیں، تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اُن کا افسر مقرر فرمادیا تھا۔

لڑائی قریش کی طرف سے سب سے پہلے شریف گھرانوں کی رئیس زادیاں "دف" پر جنگی ترانے گاتی ہوئی آگے بڑھیں۔ قریش کے سردار کی بیوی جن کا نام "ہندؔ"[۱] تھا، آگے آگے تھیں۔ اس شان سے مقابلہ شروع ہوا۔ دستور کے موافق اوّل اوّل ایک ایک دو دو کا مقابلہ ہوا۔ پھر گھمسان کا رن پڑنے لگا۔

---

[۱] ہند کا باپ عتبہ بدر میں مارا گیا تھا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہند اور ابوسفیان وغیرہ جو اس جنگ میں مدمقابل تھے وہ بعد میں اسلام سے مشرف ہوگئے۔ پھر اسلام کی خاطر بڑے بڑے کام کئے۔ لہٰذا یہ سب واجب الاحترام ہیں۔ ان کے تذکرہ کے وقت دلوں میں ان کا احترام ضروری ہے۔

شہادت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

ایک حبشی غلام جس کا نام وحشی تھا[1] اُس سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا. وہ حضرت حمزہ کی تاک میں ایک چٹان کی آڑ لے کر بیٹھ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ برابر سے گذر رہے تھے کہ اُس نے چھوٹا سا نیزہ جس کو "حربہ" کہا جاتا تھا اور حبشیوں کا خاص ہتھیار ہوتا تھا' اس طرح تاک کر پھینکا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ناف میں گڑ کر کمر سے پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔

لڑائی کی درمیانی حالت

کفار کے علمبردار لڑ لڑ کر قتل ہو رہے تھے. ایک گرتا تو دوسرا آگے بڑھ کر جھنڈا اٹھا لیتا۔ اس طرح نو دس بہادر جھنڈے پر قربان ہو گئے۔ پھر دیر تک جھنڈا پڑا رہا۔ کوئی اُٹھانے والا نہیں تھا۔ ایک عورت[2] کو غیرت آئی وہ ہمت کر کے آگے بڑھی اور جھنڈے کو بلند کر دیا۔ قریش کی ہمتیں ٹوٹ چکی تھیں۔ وہ جھنڈے کو اونچا دیکھ کر کچھ سنبھلے لیکن جم کر نہ لڑ سکے۔ پاؤں اُکھڑ گئے۔ فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ عورتیں

---

[1] یہ جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہند کے باپ عتبہ کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا۔ جبیر بن مطعم کا چچا بھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا' اسی بنا پر ہند نے وحشی کو جو حربہ اندازی میں کمال رکھتا تھا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔

[2] اس کا نام عمرہ تھا دختر علقمہ۔

جو گا گا کر دلوں کو اُبھار رہی تھیں اپنی اپنی جانیں لے کر بھاگیں اور خیموں میں جا کر چھپ گئیں۔ اسلامی فوج نے آگے بڑھ کر اُن کے مال و اسباب پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر وہ تیرانداز جن کو پہاڑ کے درّہ پر مقرر کیا گیا تھا، بے فکر ہو گئے۔ فتح کی خوشی میں اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر میدان کی طرف بھاگ پڑے۔ اُن کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا لیکن چھ سات کے سوا کوئی نہ رُکا کہ فتح ہو چکی ہے۔ اب ڈیوٹی بھی ختم ہو گئی۔

کایا پلٹ

"خالد" جو بعد میں اسلام کے مشہور جرنیل ہوئے اور مسلمانوں کا بچّہ بچّہ اُن کو حضرت خالد کے نام سے پہچانتا ہے۔ اس وقت تک کافر تھے۔ قریشی فوج کے ایک بازو[1] کی کمان اُن کے سپرد تھی۔ اُنہوں نے اسلامی فوج کی اس کمزوری کو تاڑ لیا۔ وہ فوراً اپنا دستہ لے کر تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے پیچھے کی طرف سے اس درہ پر پہنچے۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے چھ سات ساتھیوں نے جم کر بہادری سے مقابلہ کیا۔ مگر وہ سب شہید ہو گئے اور راستہ صاف ہو گیا۔

اب اس قریشی دستہ نے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر بھاگتے ہوئے کافر بھی سنبھلے اور اُنہوں نے سامنے سے حملہ کر دیا۔ مسلمان چونکے

---

[1] میمنہ جو فوج کا سب سے زیادہ خطرناک حصہ ہوتا تھا، اُس کی کمان حضرت خالد کے سپرد تھی اور میسرہ کے کمانڈر عکرمہ پسر ابوجہل تھے۔ بعد میں یہ بھی مسلمان ہوئے اور اب یہ حضرت عکرمہ اور حضرت خالد کہلاتے ہیں۔ رضی اللہ عنہما۔

تو وہ گھرے ہوئے تھے۔ دونوں طرف سے تلواریں اُن پر برس رہی تھیں۔ مسلمان پھر بھی سنبھلے اور ڈٹ کر مقابلہ شروع کیا۔ لیکن اُن کی صفیں ٹوٹ چکی تھیں اور اُن کا جتھا تتر بتر ہوگیا تھا۔ گرد و غبار اور گھمسان میں اپنے پرائے کی پہچان مشکل تھی۔ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور اس دھکا پیل میں اپنے آقا سے بھی چھوٹ گئے۔ صرف بارہ چودہ صحابہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے۔

شہادت کی جھوٹی خبر

حضرت مُصْعَبْ بن عمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علمبردار تھے، صورت میں بھی مشابہت رکھتے تھے، قریش کے ایک سورما نے اُن کو شہید کر دیا۔ اور شور مچادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی۔ مسلمانوں کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو رہے سہے حواس بھی گم ہوگئے۔ کچھ نے نا اُمید ہو کر ہمت ہار دی کہ اب لڑ کر کیا کریں گے کسی کے دماغ پر یہ اثر ہوا کہ اب جی کر کیا کریں گے[1]

سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے اور دندانِ مبارک کی شہادت

یہ خبر تو غلط تھی۔ لیکن یہ صحیح تھا کہ "حبیبِ خدا" صلی اللہ علیہ وسلم پر برابر حملے ہو رہے تھے۔ یہاں

---

[1] حضرت انس بن نضر کے دماغ پر یہی اثر تھا۔ چنانچہ دشمن کی فوج میں گھسے اور بے جگری کے ساتھ لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ لڑائی کے بعد جب اُن کی لاش دیکھی گئی تو اُن کے بدن پر نیزہ تلوار اور تیروں کے زخم اسّی سے زیادہ تھے۔ کوئی شخص پہچان نہیں سکتا تھا۔ اُن کی بہن نے اُن کی اُنگلی دیکھ کر پہچانا۔ (بخاری شریف وغیرہ)

تک کہ دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا۔ خود کی کڑیاں رخسارِ مبارک میں گڑ گئیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گر پڑے۔ فوراً ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دستِ مبارک سنبھالا۔ حضرت طلحہ (ابن عبید اللہ) نے بغل بھری۔ پھر آپ کو گڑھے سے نکال لیا گیا۔

دوسرے صحابہ کرام جو مایوسی کے عالم میں بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمنوں پر حملے کر رہے تھے۔ اُن کی نگاہیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اُن میں سب سے پہلے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی نظر آپ پر پڑی۔ بے اختیار آپ کی زبان سے نکلا۔ مسلمانو! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ہیں۔ (قربان ہو آپ پر جان) یہ سُنکر ہر طرف سے جاں نثار ٹوٹ پڑے۔

اِن پروانوں نے شمع نبوّت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گھیرے میں لے لیا۔ اب دشمنوں نے ہر طرف سے سمٹ کر اسی رُخ پر زور دیا۔ چاروں طرف سے تلواریں برسنے لگیں۔ تیروں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ لیکن اسلام کے فدائیوں نے بھی بہادری اور جاں نثاری کے وہ جوہر دکھائے جو رہتی دُنیا تک یاد رہیں گے۔

حضرت ابو دُجانہ جھک کر ڈھال بن گئے جو تیر آتے آپ کی کمر سے ٹکراتے۔ تلواروں کے مقابلہ میں حضرت طلحہ آڑ بن گئے۔ تلواروں کے وار ہاتھ پر لیتے رہے اسی میں ایک بازو کٹ کر گر پڑا۔

حضرت زیاد بن سکن اپنے سات ساتھیوں کے ساتھ بڑھے اور ایک ایک کر کے سب قربان ہو گئے۔

حضرت ابوطلحہ اور حضرت سعد تیر اندازی کے ماہر تھے۔ یہ دشمنوں پر تیر کی بارش برسا رہے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیر اُٹھا اُٹھا کر دے رہے تھے۔

خالد کا حملہ اور منہ توڑ جواب

خالد نے دیکھا کہ آپ اور آپ کے ساتھی نشیب میں ہیں وہ اپنے دستہ کو لے کر بڑھے پہاڑ کی طرف سے حملہ کرنا چاہتے تھے۔ ابوسفیان نے موقع غنیمت جانا۔ وہ بھی پہاڑ کی طرف بڑھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پہاڑ کے نیچے رہنا ٹھیک نہیں، اوپر چڑھنا چاہیئے۔

حضرت طلحہ نے کمر سامنے کر دی۔ آپ نے اس پر قدم رکھا اور چٹان پر چڑھ گئے۔ زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے کہ طلحہ نے جنّت لے لی۔ دشمن حملہ کرنا چاہتے تھے۔ کہ حضرت عمر فاروق رضؓ حضرت ابوبکر رضؓ حضرت علی رضؓ اور بہادرانِ اسلام نے پہل کر کے منہ توڑ جواب دیا۔ دشمن کی ہمت پست ہو گئی۔ وہ پیچھے ہٹا اور تلوار بازی کے بجائے فقرہ بازی پر اتر آیا۔

فقرہ بازی

چنانچہ ابوسفیان نے پکارا۔ محمّد!
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا۔ جواب نہ دو

پھر پکارا۔ ابوبکر۔ آپ نے یہی ہدایت فرمائی جواب نہ دو۔

پھر آواز دی عمر۔ حضرات صحابہ حسب ہدایت خاموش رہے۔

جب جواب نہ ملا تو بولا۔ سب مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے اب ضبط نہ ہو سکا۔ پکار کر فرمایا۔ ہم سب زندہ ہیں۔

ابوسفیان نے کہا۔

اُعْلُ هُبَلُ۔ اے ہُبَلؔ[1] تو اونچا رہ۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جواب دو۔

اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ۔ اللہ بلند اور بڑا ہے۔

ابوسفیان نے کہا۔

لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ۔ ہمارے پاس عزّٰیؔ[2] ہے۔ تمہارے پاس نہیں۔

صحابہ نے جواب دیا۔

اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ۔ خدا ہمارا مددگار ہے۔ تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

ابوسفیان نے کہا۔

آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ فوج کے لوگوں نے مُردوں کے ناک کان کاٹ لئے ہیں۔ میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا۔ لیکن مجھ کو معلوم ہوا تو کچھ افسوس بھی نہیں ہوا۔

قریشی عورتوں کی ذلیل حرکت

قریشی عورتوں نے دیکھا کہ مسلمان گھِر گئے ہیں تو وہ اپنے خیموں سے فتح کے گیت گاتی ہوئی نکلیں۔ جو شہید نظر پڑا اس کے ناک کان کاٹ لئے اور ہار بنا کر گلوں میں ڈالے۔ پھر اُنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو تلاش کیا۔ ہندؔ اُن کی لاش پر پہونچی۔ سینہ چاک کر کے جگر نکالا۔ اس کو چبا کر

---

[1] بُت کا نام تھا۔ [2] عزّیٰ بھی بُت کا نام تھا۔

نگلنا چاہتی تھی۔ مگر نگلا نہ گیا تو تھوک دیا۔ پھر اونچی چٹان پر چڑھ کر کامیابی کے نغمے گائے۔

زخمیوں کی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر مدینہ میں پہونچی تو آپ کے فدائی بڑی بے تابی کے ساتھ دوڑے۔ حضرت فاطمہ زہرا رض نے آکر دیکھا تو ابھی چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سپر[1] میں بھر کر پانی لائے۔ حضرت فاطمہ دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا راکھ زخم پر رکھی خون تھم گیا۔

خواتین اسلام اس غزوہ میں مسلمان خواتین نے بھی بڑے کام کئے۔ حضرت عائشہ رض حضرت اُم سلیم رض اور حضرت اُم سُلَیط مشکیزے لئے ہوئے تھیں۔ بھر بھر کر لاتیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جب سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر دشمنوں کا دھاوا ہو رہا تھا تو مردوں کی طرح اُم عمارہ[2] نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت صفیہ شکست کی خبر سُنکر مدینہ

---

[1] سپر یعنی ڈھال۔

[2] کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، ابن قُمیئہ جب دندناتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت مصعب بن عمیر وغیرہ مردوں کی طرح حضرت ام عمارہ نے بھی بڑھ کر روکا تلوار کے کئی وار کئے مگر وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگر نہ ہوئے البتہ ابن قمیہ کے حملہ سے اُم عمارہ کے مونڈھے پر زخم آیا جس کا گہرا گڑھا اخیر تک رہا۔

سے نکلیں میدان جنگ میں پہنچیں۔ حضرت حمزہ کی شہادت کا قصہ سنا۔ فرمایا! راہِ خدا میں یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ لاش پر گئیں۔ خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ لیکن اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیہِ رَاجِعُوْنَ کہہ کر خاموش ہو رہیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔

ایک انصار خاتون کے باپ، بھائی، شوہر، سب اس معرکے میں شہید ہوئے۔ وہ مدینہ سے چلیں تو ایک ایک کی شہادت کی خبر باری باری اُن کے کانوں میں پڑتی رہی لیکن وہ ہر بار یہ پوچھتی تھیں کہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ وہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں۔ چہرۂ انوار کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کیں اور بے اختیار پکار اُٹھیں۔ آپ ہیں تو کوئی مصیبت، مصیبت نہیں۔

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

شہیدوں کی تعداد اور کفن دفن

نتیجۂ جنگ شکست تھا۔ بدر میں ستر کافر مارے گئے تھے۔ اس جنگ میں صرف بائیس یا تیئس کافر مارے گئے اور ستر مسلمان شہید ہوئے۔ ان میں زیادہ تر انصار تھے۔ افلاس کا یہ حال تھا کہ کفن بھی پورے نہ تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو جو اس جنگ میں علمبردار تھے۔ اتنا چھوٹا کپڑا میسر آسکا کہ اگر پاؤں چھپاتے تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے۔ آخر کار سر کپڑے سے چھپایا گیا اور پیر اذخر[1] گھاس سے۔ وقت

---

[1] اذخر۔ گھاس جو کہ مکہ میں اونٹوں کو کھلائی جاتی ہے۔

تنگ تھا اور مسلمان زخمی تھے، تھکے ماندے اور خطرہ تھا کہ دشمن پلٹ کر حملہ کر دے اس لئے ہر ایک کے واسطے قبر نہیں کھودی جا سکی۔ بلکہ ایک ایک قبر میں کئی کئی شہید دفن کئے گئے جس کو قرآن شریف زیادہ یاد ہوتا اُس کو مقدم[۱] رکھا جاتا۔ شہیدوں کو غسل نہیں دیا جاتا۔ لہٰذا یہ سب اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دفن کر دیئے گئے۔

تعاقب[۲] لڑائی ختم ہوگئی۔ دشمن فتح کے ترانے گاتا ہوا روانہ ہوگیا۔ مسلمان زخموں سے چور ہیں۔ لیکن خطرہ ہے کہ اگر دشمن نے پلٹ کر حملہ کر دیا تو مقابلہ ناممکن ہوگا۔ لہٰذا ضروری سمجھا گیا کہ ایک دستہ دشمن کے پیچھے روانہ کر دیا جائے تاکہ اگر دشمن پلٹے تو فوراً روک تھام ہو سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ستّر مجاہدین کا ایک دستہ تیار کیا اور دشمن کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ اس دستہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ تدبیر کارگر ہوگئی۔ دشمن کو جب ہوش آیا۔ اور اُس نے پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنا چاہا تو اس دستہ کے گرد و غبار کو دیکھ کر وہ سہم گیا اور پلٹنے کے بجائے سیدھے مکہ معظمہ پہنچ کر دم لیا۔

---

[۱] یعنی قبر میں قبلہ کی طرف سب سے پہلے رکھا جاتا۔ [۲] پیچھا کرنا [۳] مسئلہ یہی ہے کہ شہیدوں کو غسل نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح خون کے کپڑوں میں ان پر نماز پڑھی جاتی ہے پھر دفن کر دیا جاتا ہے۔

سوالات

۱۔ اُحد کیا ہے؟

۲۔ جنگِ اُحد کب پیش آئی۔ تاریخ کیا تھی۔ مہینہ کون سا تھا۔ اور اس لڑائی کے اسباب کیا تھے؟

۳۔ اس لڑائی میں شریک ہونے والے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تعداد کیا تھی اور اُن کے ساتھ سامانِ جنگ کیا تھا؟

۴۔ صحابہ نے شہر بند ہو کر لڑنے کو کیوں پسند نہیں کیا اور پھر اپنی رائے کیوں واپس لینی چاہی؟

۵۔ صحابہ نے اپنی رائے واپس لینی چاہی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار کھولنے سے کیوں انکار کر دیا؟

۶۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کا جھنڈا کس کے پاس تھا؟

۷۔ یہ افواہ کیوں مشہور ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے۔

۸۔ اس افواہ کا مسلمانوں پر کیا اثر پڑا؟

۹۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو کیوں شکست ہوئی اور تم نے اس سے کیا سبق لیا؟

۱۰۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کس نے شہید کیا؟

۱۱۔ سید الشہداء (تمام شہیدوں کے سردار) کس کا خطاب ہے؟

۱۲۔ حضرت صفیہ کون تھیں اور انہوں نے صبر و استقلال کا کس طرح ثبوت دیا؟

۱۳۔ خواتین اسلام کی خدمات اور قربانیاں بیان کرو۔

۱۴۔ شہداء احد کے ساتھ کفار کی عورتوں نے کیا سلوک کیا؟

یہودیوں کی حرکتیں

غزوۂ بنی قینقاع۔ شوّال ۲ھ

غزوۂ بنی نضیر۔ ربیع الاوّل ۴ھ

تم پڑھ چکے ہو کہ مدینہ منورہ میں دوسری پارٹی یہودیوں کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور مسلمانوں کا معاہدہ[1] کرادیا تھا کہ مل جل کر امن چین کی زندگی بسر کریں اور اپنے ملک کی حفاظت کرتے رہیں مگر یہودیوں کے دل اس پر عمل کرنے کے لئے ایک دن بھی تیار نہیں ہوئے اور منافقوں کے ساتھ اُن کی گٹھ جوڑ اسلام اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے برابر خطرہ بنی رہی۔ یہی سبب تھا کہ صحابہ کرام رات کو پہرہ دیتے تھے اور دن کو پورا خیال رکھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تنہا تشریف نہ لے جائیں

---

[1] یہ معاہدہ اسی حصہ میں چند ورق پہلے گذر چکا ہے۔ حضرات اساتذہ اس کو یاد دلائیں۔ اس کی ایک اہم دفعہ یہ تھی کہ باہر سے اگر کوئی حملہ کرے گا تو یہودی اور مسلمان ایک قوم اور ملت کے لوگوں کی طرح مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

لیکن چونکہ یہودیوں اور منافقوں کی طرف سے کھلم کھلا کوئی بات نہیں پائی گئی تھی اس لئے مسلمان معاہدے کے پابند رہے اور اس پر سو جان سے عمل کرتے رہے

مگر جب قریش کے ساتھ لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو یہودیوں کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ اور کھلم کھلا معاہدہ کی خلاف ورزی شروع کر دی۔

غزوۂ بنی قینقاع شوال ۲ھ

سب سے پہلے بنو قینقاع[1] نے خلاف ورزی کی اور اس نازک وقت میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی اور بے سرو سامانی کی حالت میں مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ بدر کی لڑائی میں لگے ہوئے تھے۔ سر بازار ایک مسلمان عورت کی بے عزتی کی اور جب ایک مسلمان مرد نے عورت کی حمایت کی تو اُس کو شہید کر ڈالا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے واپس ہوئے تو آپؐ نے بنو قینقاع کے یہودیوں کو بُلایا کہ معاملہ کو رفع دفع کر دیں اور آپس میں صلح صفائی کرادیں۔ مگر یہودی نہیں آتے بلکہ معاہدہ کا کاغذ واپس بھیج دیا۔ اور جنگ کا اعلان کر دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ ہم قریش نہیں ہیں جن کو بدر میں تم نے ہرا دیا۔ ہم سے مقابلہ کرو گے تو مزا چکھو گے۔

بنو قینقاع نے جب معاہدہ کو رد کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] یہ قبیلہ بہادر مشہور تھا۔ اور اُس کو اپنی بہادری پر گھمنڈ تھا۔

جاں نثاروں کو ساتھ لے کر بنو قینقاع تشریف لے گئے اور اُن کے قبیلہ کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ یہودیوں کی شیخی ختم ہو گئی۔ مقابلہ کی ہمت کسی کو بھی نہیں ہوئی۔ پندرہ روز تک محاصرہ رہا۔ آخر کار یہودیوں نے گھبرا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُہائی دی۔ اور آپ کو اختیار دیا کہ جو فیصلہ صادر کریں ہمیں منظور ہو گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ وہ یہاں سے کہیں تشریف لے جائیں۔ چنانچہ یہ سب اپنا پورا سامان و اسباب لے کر شام چلے گئے۔ یہ سات سو مرد تھے۔ جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔

غزوۂ بنی نضیر ۴ھ

دوسرا قبیلہ بنو نضیر تھا۔ اُس نے قریش سے درپردہ سازباز کر لی۔ اور قریش کے لئے جاسوسی کا کام کرنے لگے۔ ستم پر ستم یہ ہوا کہ قریش کے اُکسانے سے ۴ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر ڈالنے کی سازش بھی کی۔ ٹھیک موقع پر سازش کا پتہ چل گیا۔ جب ہر طرح غدّاری ثابت ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ نئے سرے سے دوبارہ معاہدہ ہو جائے۔ مگر بنو نضیر کو اپنے مضبوط قلعوں پر ناز تھا اور منافقوں نے بھی یقین دلا دیا تھا کہ !!ان میں وہ اور دوسرے قبیلوں کے یہودی اُن کا ساتھ دیں گے۔ اِس لئے اُنھوں نے دوبارہ معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ روز تک اُن کا محاصرہ کیا۔

بالآخر بنو نضیر اس شرط پر راضی ہو گئے کہ جس قدر مال و اسباب اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں اور مدینہ سے باہر نکل جائیں۔ انھوں نے چھ سو اونٹوں پر اسباب لادا۔ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے گرایا۔ باجے بجاتے ہوتے نکلے اور

خیبر[1] جا کر آباد ہو گئے۔ خیبر کے یہودیوں نے اُن کی اتنی عزت کی کہ بنو نضیر کے سرداروں کو اپنا سردار مان لیا[2]۔ یہ واقعہ ربیع الاوّل کے مہینہ میں ہجرت سے چوتھے سال پیش آیا۔ بنو نضیر کی تمام جائداد جو مدینہ میں تھی وہ بحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضبط کر لی گئی۔

---

[1] خیبر ایک شہر تھا مدینہ منورہ سے تقریباً دو سو میل۔ یہ خالص یہودیوں کا شہر تھا اور ان کا بہت بڑا مرکز۔

[2] سلام بن الحقیق۔ کنانہ بن الربیع۔ حیی بن اخطب بنو نضیر کے سردار تھے۔ خیبر کے یہودیوں نے ان کو اپنا سردار مان لیا۔ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۴۳

[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بڑا حصہ مہاجرین پر تقسیم کر دیا جن کے پاس زمینیں نہیں تھیں۔ انصار میں سے بھی دو صاحب کو زمینیں عطا فرمائیں جو ضرورت مند تھے۔ کچھ حصہ کی آمدنی میں سے ازواج مطہرات کے نفقے مقرر کر دیئے۔ پھر جو باقی بچا وہ مسلمانوں کی عام ضرورتوں اور جنگی ضروریات پر صرف ہوتا تھا (بخاری)

سوالات

۱۔ بنو نضیر کون تھے اور کہاں رہا کرتے تھے؟

۲۔ بنو نضیر سے کب معاہدہ ہوا کیوں ہوا اور اس کا خلاصہ کیا تھا؟

۳۔ بنو قینقاع کون تھے؟

۴۔ سب سے پہلے غداری کس قبیلہ نے کی؟

۵۔ غداری کا کھلم کھلا واقعہ سب سے پہلے کیا ہوا؟

۶۔ بنو قینقاع کو کیا سزا دی گئی اور بنو نضیر کا نتیجہ کیا ہوا؟

۷۔ بنو قینقاع کا واقعہ کب پیش آیا اور بنو نضیر کو کب جلا وطن کیا گیا؟

خونِ بے گناہ

بیر معونہ کا واقعہ۔ صفر ۴ھ

صفر ۴ھ میں ایک قبیلہ کا بڑا مشہور سردار "عامر بن مالک" حاضر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام لانے کی فرمائش فرمائی۔

وہ مسلمان تو نہیں ہوا۔ البتہ بڑے زور سے یہ کہا کہ اگر آپ کچھ مبلغ نجد بھیج دیں تو وہاں بہت سے آدمی مسلمان ہو جائیں گے۔ میں اُن کے ساتھ رہوں گا۔ خطرہ کی کوئی بات نہیں۔ اس کا ذمہ میں لیتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بات پکی کرائی۔ اور جب اُس نے ہر طرح اطمینان دلا دیا تو ستر صحابہ کو اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔

ان میں "صفہ" والے حضرات بھی تھے۔ جو "قاری" کہلاتے تھے جو تلاوتِ قرآن اور تہجد کی نفلوں میں رات گذارتے۔ دن کو لکڑیاں چُن کر بیچتے۔ جس سے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خوراک کا خرچ نکالتے۔

یہ حضرات روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک جگہ قیام ہوا۔ یہ مقام جو بیر معونہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے پاس ہی ایک قبیلہ کے سردار کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک تھا۔

حضرت "حرام بن ملحان" یہ نامہ مبارک لے کر اس قبیلہ میں گئے۔

ان سے اجازت لی کہ نامہ مبارک پڑھ کر سنادیں۔ اس نے اجازت دی۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نامہ مبارک پڑھ رہے تھے کہ سردار کے اشارہ سے ایک شخص نے پیچھے سے نیزہ مارا۔ نیزہ آر پار ہوگیا۔ بدن سے خون کا فوارہ چھوٹا۔ حضرت ملحان رضی اللہ عنہ نے خون کو چلو میں لے کر چہرہ پر چھینٹا مارا۔ گویا خونِ شہادت سے وضو کر رہے ہیں۔ پھر شوق شہادت میں زبان سے نکلا۔ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ۔ ربّ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔ (میری مراد پوری ہوگئی)

اس کے بعد ان بدنصیبوں نے آس پاس کے قبیلے والوں کو اکٹھا کر لیا۔

وہ سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہوگئے۔ اور ان بے گناہ مبلغین کو شہید کر ڈالا۔

صرف ایک صاحب جو بے ہوش تھے ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ وہ زندہ رہ گئے۔ اور دو صاحبان اونٹوں کو چرانے کے لئے لے گئے تھے وہ بچ گئے۔

ان شہیدوں کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ پیغام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو پہونچایا۔

خوش خبری ہو، ہمیں اپنے پروردگار کا دیدار نصیب ہوا، وہ ہم سے خوش ہوگیا۔ ہم اُس سے

غزوۂ احزاب[1] یا غزوۂ خندق

یعنی

تمام عرب کی متحدہ جنگ

ذی قعدہ ۵ھ

قریش نے اُحد کی لڑائی تو جیت لی۔ مگر یہ جیت بہت مہنگی پڑی۔ سارے سال تیاری کی۔ بے شمار روپیہ خرچ کیا۔ عورتوں نے حصہ لیا۔ پھر بھی اسلام کو نہ مٹا سکے۔ بلکہ اگر ستر مسلمانوں کو شہید کیا۔ تو اپنے بھی ۲۳ بہادروں کو بھینٹ چڑھا دیا۔ اور جیتنے کے باوجود گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ میدان میں نہ ٹھیرا گیا۔ اور جب راستہ سے پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اسلامی فوج کا گرد و غبار ہی دیکھ کر سہم گئے اور سیدھے مکہ معظمہ پہنچ کر دم لیا۔

قریش خوب سمجھتے تھے کہ اُحد کی جیت، بہادروں کے بل بوتے پر نہیں ہوئی

---

[1] احزاب "حزب" کی جمع ہے۔ حزب کے معنیٰ جماعت، گروہ۔ چونکہ عرب کے تمام گروہوں اور تمام جماعتوں نے متفقہ طور پر حملہ کیا تھا اس لئے اس کو غزوۂ احزاب کہتے ہیں اور چونکہ اس غزوہ میں خندق کھودی گئی تھی اس لئے اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔

بلکہ مسلمانوں کی ایک غلطی اور ہماری چالاکی کے سبب یہ فتح حاصل ہوئی ہے[۱]

لہٰذا انہوں نے لڑائی کا نیا نقشہ تیار کیا کہ عرب کے تمام قبیلوں کو ملا کر ایک ساتھ حملہ کیا جائے اور مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے۔

دوسری طرف بنو نضیر جب مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انہوں نے خیبر اور آس پاس کے یہودیوں کو ملا کر ایک جنگی طاقت تیار کر لی۔ بنو نضیر کے سردار[۲] مکہ معظمہ پہنچے اور قریش سے بات چیت کر کے متحدہ محاذ یعنی اکٹھے مقابلہ کرنے کی تیاریوں میں شریک ہو گئے۔

غرض عرب کے تمام قبیلوں کی طرف سے ایک بہت بڑا لشکر تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ اس ٹڈی دل کی تعداد چوبیس ہزار سے بھی زیادہ بتائی گئی ہے۔

خندق کی تجویز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبریں سنیں تو صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے مطابق یہ طے کیا گیا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے اور مدینہ کی حفاظت کے لئے ایک خندق[۳] کھودی جائے۔

---

[۱] یہ حقیقت ہے کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ اگر مسلمان درہ خالی نہ چھوڑتے تو فتح مسلمانوں کی تھی اور قریش کو اُحد میں بھی وہی بھگتنا پڑا جو "بدر" میں بھگت چکے تھے۔

[۲] یعنی سلام بن ابی الحقیق، حی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع وغیرہ۔

[۳] خندق کو ہندی میں "کھائی" کہتے ہیں۔ یہ فارسیوں کا طریقہ تھا اور فارسی لفظ کندہ سے (باقی صفحہ ۶۱ پر)

(باقی صفحہ ۶۱ پر)

مدینے کے تین طرف مکانوں اور کھجوروں کے باغات کا سلسلہ تھا: صرف ایک رُخ کھلا ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکل کر اسی طرف خندق کی تیاریاں شروع کردیں۔ یہ ذی قعدہ ۵ھ کی آٹھ تاریخ تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی حدیں خود قائم کیں۔ داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کردی۔ خندق کی گہرائی پانچ گز اور چوڑائی پندرہ گز رکھی گئی۔ چھ دن میں تین ہزار متبرک ہاتھوں نے اس خندق کو تیار کیا۔

شاہِ دوجہاں محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس خندق کے کھودنے میں ایک رضاکار کی طرح کام کر رہے تھے اور آپ کی پیغمبرانہ شان وقتاً فوقتاً مشکل کشائی کرتی رہتی تھی۔

ایک مرتبہ ایک سخت چٹان ایسی آگئی کہ نہ اکھاڑے اکھڑتی تھی اور نہ کسی کی ضرب کام کرتی تھی۔ جب لوگ تنگ آگئے تو اسی مشکل کشا کی طرف دوڑے جو کشتیٔ اُمت کا کھیون ہار ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے دستِ مبارک سے کدال مارا تو چٹان کنکریوں کا ڈھیر تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۶۰) خندق بنالیا گیا ہے۔ جس طرح فارسی لفظ پیادہ کی عربی بیدق بنالی گئی ہے۔ کندہ کے معنی کھودا ہوا۔ اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اسلام کی ترقی اور ... کے لئے دوسری قوموں کے جائز طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں۔

بنو قریظہ کی غدّاری

یہ یہودی اب تک الگ تھے۔ لیکن جب دیکھا کہ سارا عرب چڑھ آیا اور مسلمانوں کو سب طرف سے گھیر کر گویا پنجرے میں کر لیا ہے تو اُن کے دلوں کا کھوٹ بھی سامنے آگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے پاس سمجھانے کے لئے دو[1] آدمی بھیجے تو غرور کا پارہ اتنا چڑھا ہوا تھا کہ ٹھیک طرح بات بھی نہیں کی اور کہہ دیا کہ ہم نہیں جانتے کہ معاہدہ کیا ہوتا ہے۔

حملہ

قریش، یہود اور قبائل عرب کی چوبیس ۲۴ ہزار فوجوں نے تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ کے تین طرف اس زور شور سے حملہ کیا کہ مدینہ کی زمین دہل گئی۔

اہل ایمان کی پریشانیاں

محاصرہ پوری سختی کے ساتھ تقریباً ایک مہینہ جاری رہا۔ جاڑے کا موسم کڑاکے کی سردی، کپڑوں کی کمی، تمام کام بند، افلاس کا یہ عالم کہ فاقے پر فاقے ہو رہے تھے۔ کمر سیدھی رکھنے کے لئے پیٹوں پر پتھر باندھے چلتے تھے۔

ایک روز پریشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے کچھ ساتھیوں نے پیٹ کھول کر دکھائے۔ اُن پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شکم مبارک سے کپڑا ہٹایا تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے۔

---

[1] حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما۔ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۶۰ ج ۲

مقابلہ

خندق کا طریقہ بالکل نیا تھا۔ دشمن نے دیکھا تو چکرا گیا۔ مگر ہمت پھر بھی نہیں ہاری۔ اور مقابلہ شروع کیا۔ جس کی صورت یہ تھی کہ خندق کے ایک طرف مسلمان تھے دوسری طرف دشمن کی فوجیں۔ دشمن کی فوجوں نے خندق پھاندنے کی کوشش کی مگر ناکام رہیں۔ تب پتھروں اور تیروں کی بارش شروع کی تاکہ مسلمانوں کو ہٹا دیں اور خندق کو پاٹ کر مدینہ میں گھس پڑیں۔ مجاہدینِ اسلام جن کی کل تعداد تین ہزار تھی، دشمن کے تیروں اور پتھروں کا منہ توڑ جواب دیتے رہے۔ پندرہ بیس روز تک یہی سلسلہ رہا۔ ایسے دن بھی گذرے کہ کفار کی طرف سے تیروں اور پتھروں کی بارش ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں تھمی۔ یہاں تک کہ فرض ادا کرنے کا موقع نہیں ملا اور لگاتار چار نمازیں قضا ہو گئیں۔

دشمنوں میں پھوٹ

محاصرہ جس قدر لمبا ہوتا جا رہا تھا، محاصرہ کرنے والے ہمّت ہارتے جا رہے تھے۔ چوبیس ہزار کو رسد پہنچانا اور اُن کی ضرورتوں کا خیال رکھنا آسان کام نہیں تھا۔

وہ یہودی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مشفق و مہربان سے نبھا نہ سکے، وہ ان کافروں کے ساتھ کس طرح نبھا سکتے تھے جن کے اخلاق کا پہلے ہی دیوالا نکلا ہوا تھا۔ چنانچہ خود آپس میں چپقلش شروع ہو گئی۔

سونے پر سہاگہ، آندھی کا ایسا سخت طوفان آیا کہ خیموں کی طنابیں اُکھڑ گئیں۔ چولھوں پر چڑھی ہوئی دیگیں اُلٹ گئیں۔ اور فوج کا سارا کارخانہ درہم برہم ہو گیا۔

بہرحال موسم کی سختی، محاصرہ کا طول، آندھی کا زور، رسد[۱] کی کمی
ناامیدی کی جھونجل، یہود اور قریش کا آپس کا کھچاؤ. یہ سب باتیں ایسی جمع
ہوگئیں کہ جو اسلام کی جڑیں اکھاڑنے آئے تھے خود اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے.
چنانچہ ابوسفیان نے کوچ کا حکم دیا اور تقریباً ایک مہینہ کے بعد مدینہ کا مطلع
لڑائی کے گرد و غبار سے صاف ہوا. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں
فتح و کامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے.

اس معرکہ میں فوج اسلام کا جانی نقصان بہت کم ہوا. لیکن انصار کا
سب سے مضبوط بازو ٹوٹ گیا. یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو قبیلۂ
"اوس" کے سردار تھے زخمی ہوئے اور پھر جانبر نہ ہو سکے.

بنو قریظہ کا چراغ گل بنو قریظہ کے یہودیوں نے سب سے زیادہ
نازک موقع پر غداری کی تھی. اب بھی اگر
وہ صلح صفائی کا راستہ اختیار کرتے تو معافی کا دروازہ کھلا ہوا تھا. لیکن تباہی
اُن کے سر پر کھیل رہی تھی. یہ بدنصیب صلح کے بجائے لڑائی پر آمادہ رہے. لہٰذا
غزوہ خندق سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا
رُخ کیا اور اُن کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا. قریب قریب ایک ماہ تک یہ محاصرہ
جاری رہا. بالآخر مجبور ہوکر اُنہوں نے خود ہتھیار ڈالے اور خود فرمائش کی کہ
اُن کے معاملہ کا فیصلہ حضرت سعد[۱] بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کے حوالے کیا جائے

---

[۱] اس وقت بھی اگر وہ اپنا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیتے تو (باقی صــ۶۳ پر)

حضرت سعد زخمی تھے۔ تاریخ مقررہ پر اُن کو مسجد میں لایا گیا۔ آپ نے فیصلہ صادر کیا کہ :- [۱]

لڑنے والے قتل کئے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید ہوں۔
مال واسباب ضبط کر لیا جائے۔

فیصلہ صادر کرنے کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ایک زخم کے ٹانکے ٹوٹ گئے اور خون کا فوارہ بہنے لگا۔ بہت کوشش کی گئی مگر خون نہ رُکا یہاں تک کہ جام شہادت نوش کیا۔ (رضی اللہ عنہ) بنو قریظہ کے جو آدمی قتل کئے گئے اُن کی کل تعداد چار سو تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳) دربار رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اُن کے حق میں وہی ہوا جو بنو نضیر کے متعلق ہوا تھا کہ مدینہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ مگر افسوس کہ اُن کی بدنصیبی اُن کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنی قبر کھودی۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [۱] ایسی صورت میں کہ کسی شخص کو ثالث اور جج مقرر کر دیا جائے کسی بھی انصاف پسند حاکم کا یہ کام نہیں کہ وہ فیصلہ کے متعلق جج یا ثالث کو مشورہ دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع واعلیٰ تو کب گوارا کر سکتی تھی کہ وہ حضرت سعد کو مشورہ دیں اور نہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے زیبا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کریں۔ ایسی صورت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہی بہتر سمجھا کہ وہ توریت کے مطابق فیصلہ کریں۔ جس کو خود یہودی اپنا دین وایمان سمجھتے تھے اور جو اُن کا مسلمہ قانون تھا۔ ذیل میں توریت کی چند آیتوں کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بظاہر ان آیتوں پر عمل کیا۔

کتاب گنتی کے باب ۳۱ کی آیت ۱۴ و ۱۵ کا ترجمہ ہے۔ اور موسیٰ لشکر کے رئیسوں پر اور ان پر جو ہزاروں کے سردار تھے اور ان پر جو سیکڑوں کے سردار تھے جو جنگ کر کے پھرے۔ غصہ ہوا۔ (باقی صفحہ ۶۵ پر

تعداد شہداء ان دونوں لڑائیوں یعنی غزوۂ خندق اور غزوۂ بنو قریظہ میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی کل تعداد دس تھی۔

سوالات

١۔ غزوۂ احزاب کو غزوۂ خندق کیوں کہتے ہیں۔ دونوں ناموں کی وجہ بیان کرو۔

٢۔ یہ جنگ کب ہوئی کہاں ہوئی اور اس کے اسباب کیا تھے؟

٣۔ اس جنگ میں کتنے مسلمانوں نے شرکت کی اور حملہ آور دشمنوں کی تعداد کیا تھی؟

٤۔ خندق کس کے مشورے سے کھودی گئی اور اس سے تم کیا سبق حاصل کر سکتے ہو؟

٥۔ خندق کا طول و عرض کیا تھا اور کتنی گہری تھی؟

٦۔ بنو قریظہ کو کیا سزا دی گئی اور سزا کس نے تجویز کی؟

٧۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان خندق کھودنے کے سلسلہ میں کیا تھی۔ اس سے تم نے کیا سبق لیا؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٤) اور ان کو کہا کہ کیا تم نے سب عورتوں کو جیتا رکھا۔ اس کے بعد آیت ١٧۔ ١٨۔ ١٩ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ سو تم ان بچوں کو جتنے لڑکے ہیں سب کو قتل کرو۔ (١٧) اور ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف تھی جان سے مارو۔ (١٨) لیکن وہ لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں ان کو اپنے لئے زندہ رکھو (١٩) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ آپ نے بظاہر توریت کے بارہ استثناء کے باب ٢٠ کی آیت ١٢۔ ١٣ اور ١٤ پر عمل کیا۔ اردو ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر۔ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔ مگر عورتوں لڑکوں اور مواشی کو۔ اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کی ساری لوٹ اپنے لئے لے لے۔

صلح حُدیبیہ اور بیعتِ رضوان

ذی قعدہ سنہ ۶ھ

حُدیبیہ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں تھا۔ جس کو حدیبیہ کہا جاتا تھا۔
اس کے قریب جو گاؤں تھا وہ بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ چوں کہ یہاں قریش اور مسلمانوں کے درمیان صلح نامہ لکھا گیا تھا۔ اس لئے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔ (تفصیل آگے آ رہی ہے)

بیعتِ رضوان اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ایک خاص بیعت لی تھی۔ جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا، اور خوشنودی کی بشارت دی گئی۔ اس لئے اس بیعت کو بیعتِ[1] رضوان کہتے ہیں۔

---

[1] بیعت یعنی اپنے آپ کو فروخت کر دینا۔ عہد کرنے یا حلف وفاداری اٹھانے کو بھی بیعت کہتے ہیں گویا عہد کرنے والا یا حلف وفاداری اٹھانے والا اپنے آپ کو اس کے ہاتھ بیع کر دیتا ہے جس کے ساتھ عہد کرتا ہے یا جس کے لئے حلف وفاداری اُٹھاتا ہے۔

ہجرت سے چھٹے سال ذی قعدہ کے مہینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ[1] کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔

یہ ارادہ جتنا مبارک تھا اتنا ہی خطرناک بھی تھا۔ کیونکہ مسلمان اپنے شہر سے سیکڑوں میل دُور اُن کے جتھے میں جا رہے تھے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر وقت دانت پیستے رہتے تھے۔ اسلام کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے اور اب بھی ہر جتن کرنے کو تیار تھے۔

ساتھی اور اُن کی تعداد

مگر خطروں کی اندھیری گھٹاؤں ہی میں کامیابی کے چراغ روشن ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا اسلام کے جاں نثار فدائی ایک ایک کر کے اپنے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہو[2] لئے۔ اُن کی کل تعداد چودہ سو تھی۔ سب نے حاجیوں کا لباس[3] پہنا۔ قربانی کے جانور ساتھ لئے اور عرب کے دستور کے موافق اُن پر نشان لگا دیئے[4]

---

[1] عمرہ گویا نفلی حج۔ حج کی تاریخیں مقرر ہوتی ہیں عمرہ کی تاریخیں مقرر نہیں ہوتیں۔

[2] بیماروں، معذوروں اور عورتوں بچّوں کے علاوہ صرف وہ اعرابی ساتھ چلنے سے رہ گئے جو جنگلوں اور پہاڑوں میں رہتے تھے اور جن لوگوں کے دلوں میں ابھی تک ایمان نہیں رچا تھا۔ (سورہ فتح رکوع ۲)

[3] حاجی حج یا عمرہ کے وقت صرف ایک لنگی اور چادر استعمال کر سکتے ہیں جن کے لئے ضروری ہے کہ سلی ہوئی نہ ہوں اس کو "احرام" کہتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۷ پر)

قریش کی طرف سے مقابلہ کی تیاری

قریش کو جیسے ہی خبر پہنچی انہوں نے طے کر لیا کہ مسلمانوں کو مکہ میں نہیں گھسنے دیں گے۔ مقابلہ کے لئے خود بھی تیار ہو گئے اور آس پاس کے لڑاکو قبیلوں کے جوانوں کو بھی بلا لیا اور بہت دنوں تک ان کے ٹھیرنے اور کھانے پینے کا انتظام کر دیا۔

صحابہ کرام رض سے مشورہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی تیاری کی خبر پہنچی تو آپ نے حضراتِ صحابہ رض سے مشورہ کیا کہ ہم واپس چلے جائیں یا جس پاک مقصد کے لئے آئے ہیں اسے پورا کرنے کی کوشش کریں اور مقابلہ ہو تو اپنی جانیں قربان کر دیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی اور اسی کو سب نے تسلیم کر لیا کہ "ہمیں واپس نہیں جانا۔ عمرہ کے لئے ہم آئے ہیں ہمیں عمرہ کرنا ہے اگر قریش، مقابلہ کریں تو ڈٹ کر اس کا جواب دینا ہے"

حدیبیہ میں قیام

مشورہ کے بعد اللہ والوں کا یہ قافلہ روانہ ہوا۔ لیکن جب اُس گھاٹی پر پہنچا جہاں سے مکہ کو راستہ جاتا تھا

(بقیہ، حاشیہ سے ص ۶۹) ؎ نشان کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ نیزہ وغیرہ سے کچھ کھال کاٹ کر اُس کے خون کے دھبّے جانور کے بدن پر لگا دیتے ہیں۔ ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ گھوڑے کے نعل یا توشہ دان وغیرہ جانور کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔ عرب کا دستور تھا کہ وہ حاجیوں کو یا ذبح کے جانوروں کو نہیں لوٹا کرتے تھے۔ نہ اُن کو ستاتے تھے۔ اس لئے یہ نشان لگائے گئے تاکہ لوٹ مار سے محفوظ رہیں۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ جس کا آپ نے "قصواء" نام رکھا تھا بیٹھ گیا۔ لوگوں نے بہت اٹھانا چاہا مگر نہ اٹھا۔

آپؐ نے فرمایا "اس کو اس خدا نے روک دیا ہے جس نے اصحاب فیل[1] کو روک دیا تھا۔"

پھر آپ نے فرمایا۔ قریش جو بھی شرط پیش کریں گے جس میں اللہ کے احکام کی عظمت ہوتی ہو میں اس کو تسلیم کرلوں گا۔ اس ارادہ کے اظہار کے بعد آپ نے اونٹنی کو چوکا دیا وہ فوراً اٹھ گئی اور مکہ کی طرف روانہ ہوگئی۔

جب آپ اس مقام پر پہنچے جس کو "حدیبیہ" کہا جاتا تھا تو وہیں ایک چشمہ کے قریب قیام فرمایا۔ چشمہ کا پانی بہت تھوڑا تھا۔ گویا چشمہ سوکھا پڑا تھا۔ مگر آپ کی دعا سے اس میں پانی کے فوارے پھوٹ پڑے اور پانی کی بہتات ہوگئی۔

---

[1] "ابرہہ" نامی ایک شخص جو شاہ حبش کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ اس نے مکہ پر اس ارادہ سے چڑھائی کی تھی کہ خانہ کعبہ کو ڈھادے۔ تیرہ ہاتھی اسی لئے ساتھ لایا تھا کہ کعبہ کو ڈھانے میں ان سے مدد لے۔ مگر جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی ایک ڈار بھیجی۔ ہر ایک پرندے کی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں تھیں۔ پرندوں نے یہ کنکریاں فوج پر برسادیں۔ ان کنکریوں نے کارتوس کا کام کیا جس پر پڑیں آر پار ہوگئیں۔ ساری فوج وہیں ڈھیر ہوگئی۔ ابرہہ نکل کر بھاگا مگر راستہ میں بیمار ہوگیا اور وطن نہیں پہنچنے پایا تھا کہ مرگیا۔ اس کے بدن کا ایک ایک عضو گل گیا۔

ایک قبیلہ کا سردار جس کا نام "بُدیل" تھا. جس سے آپ کا معاہدہ بھی تھا وہ آیا. اُس نے آپ کو قریش کی تیاریوں کی خبر دی اور یہ بتایا کہ قریش نے کیا کیا انتظام کر رکھے ہیں۔ آپ نے اُسی کے ذریعہ قریش کے پاس پیغام بھیجا کہ "ہم لڑنے نہیں آئے صرف عمرہ کرنے آئے ہیں ہمیں اجازت دو ہم عمرہ کر کے واپس ہو جائیں گے"

آپ نے یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ لڑائیوں نے قریش کی حالت پتلی کر دی ہے اُن کے کاروبار بند ہیں۔ لڑائیوں کی فکر اور اُن کے لمبے چوڑے خرچ، جانی نقصان اس کے علاوہ۔ ان کے بڑے بڑے آدمی مارے گئے۔ وہ جنگ ختم نہ کریں تو عرصہ کے لئے صلح کر لیں۔ وہ اپنی حالت درست کرنے میں لگیں میرے سامنے خدا کی مخلوق ہے۔ میں اُن کو اللہ کا پیغام پہنچاؤں گا. اگر انہوں نے پھر بھی مقابلہ کیا اور میرا کام ختم کر دیا تو قریش کی مراد مفت میں پوری ہو جائے گی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیاب کر دیا تو قریش کو سوچنے کا موقع ہو گا وہ میرے ساتھ ہو جائیں یا مجھ سے جنگ کریں۔

بدیل یہ باتیں سمجھ کر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر گیا. مگر واپس نہ آیا. تو آپ نے حضرت خراش بن اُمیہ کو یہی پیغام دے کر بھیجا. مکہ والے بات تو کیا کرتے اُن کو جان سے مارنے کے لئے تیار ہو گئے۔ قریش ہی کے کچھ آدمی آڑے آ گئے جس سے ان کی جان بچ گئی. مگر اُن کے اونٹ کو پھر بھی مار ڈالا۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان کا کچھ اثر مکہ والوں پر اب بھی تھا جس سے خیال تھا کہ وہ ان کے جان کے

در پے نہ ہوں گے۔ مکہ والوں نے ان کو مارا تو نہیں مگر واپس ہونے بھی نہیں دیا روک لیا۔ یہاں مسلمانوں میں یہ بات پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ والوں نے شہید کر دیا۔

بیعت رضوان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ایک خاص عہد لیا کہ "ہم جان دیدیں گے مگر مقابلہ سے نہیں ہٹیں گے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔ وہیں یہ بیعت ہوئی۔ قرآن شریف میں درخت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا جنہوں نے آپ سے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔" اسی بشارت کی بنا پر اس بیعت کو "بیعت رضوان[1]" کہتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہاں موجود نہ تھے شہرت تو یہ تھی کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی اس بیعت میں اس طرح شریک کیا کہ اپنے بائیں دست مبارک کو فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ اور اس پر داہنا دستِ مبارک رکھ کر فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہو گئی۔

صلح کی بات چیت قریش مسلمانوں کی فداکاری اور جان نثاری کا تجربہ بار بار کر چکے تھے۔ اس بیعت کی خبر پہنچی تو مکہ

---

[1] رضوان۔ رضامندی اور خوشنودی۔ بیعت رضوان وہ بیعت جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوئی۔

ہوش آیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رہا کیا اور کچھ آدمی بات چیت کے لئے بھیجے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلح کے لئے پہلے سے تیار تھے۔ کھل کر بات چیت ہوئی۔ بہت کچھ اونچ نیچ کے بعد ایک عہدنامہ لکھا گیا۔ اس کی مدت دس سال رکھی گئی۔ اس کی خاص شرطیں یہ تھیں۔

۱۔ مسلمان اب واپس چلے جائیں۔

۲۔ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں۔

۳۔ ہتھیار لے کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں ہو اور نیام غلاف میں لپٹی ہوئی ہو۔

۴۔ مسلمانوں میں سے کوئی شخص مکہ میں آجائے تو ہم اسے واپس نہ کریں گے ہمارا کوئی آدمی اگر مسلمانوں کے پاس پہنچ جائے خواہ وہ مسلمان ہی ہو کر جائے تو مسلمان اُسے واپس کریں گے۔

۵۔ عرب کے قبیلوں کو اختیار ہوگا کہ مسلمانوں سے معاہدہ کر کے اُن کے ساتھی بن جائیں یا قریش کے معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

فتح مُبین

مسلمانوں کو افسوس تھا کہ ہم نے دب کر صلح کی مگر اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں اس کو "فتح مبین" قرار دیا۔ (کھلی ہوئی فتح)

یہ کھلی ہوئی فتح اس وقت یہی تھی کہ قریش نے ان کو تسلیم کیا اور اُن سے معاہدہ کیا۔ جن کی وہ کوئی ہستی نہیں مان رہے تھے۔ پھر بعد کے واقعات نے پوری طرح روشن کر دیا کہ یہ صلح واقعی "فتح مبین" تھی۔ کیونکہ مسلمان اب

تک گھرے ہوئے تھے۔ جب تک مکہ میں رہے دبے ہوئے اور مصیبتوں میں مبتلا رہے۔ مدینہ پہنچے تو وہاں سے نکلنا مشکل تھا کیونکہ ہر طرف مشرک تھے۔ جو قریش کے ساتھی تھے۔ مسلمانوں کے دشمن۔

مسلمان نہ کہیں جا سکتے تھے نہ کسی کو اسلام کا پیغام پہنچا سکتے تھے۔ لوگوں کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ اسلام کیا ہے۔ اس صلح کے بعد مسلمانوں کے راستے کھلے انہوں نے اللہ کا پیغام لوگوں کو پہنچایا۔ اسلام سے آشنا کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے دو سال میں مسلمانوں کی تعداد سیکڑوں سے بڑھ کر ہزاروں تک پہنچ گئی اور نہ صرف یہ کہ ملکِ عرب کے کونہ کونہ میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے مشہور بادشاہوں اور فرمان رواؤں کے نام خطوط لکھے اور اُن کے ذریعہ اُن کی رعایا تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔

سوالات

۱۔ حدیبیہ کس چیز کا نام تھا۔ اور صلح حدیبیہ کا مطلب کیا ہے۔؟

۲۔ بیعت رضوان کا مطلب کیا ہے اور یہ بیعت کب ہوئی اور کیوں ہوئی؟

۳۔ یہ سفر جس میں یہ صلح ہوئی۔ کب ہوا۔ تاریخ ماہ اور سنہ بیان کرو۔؟

۴۔ یہ سفر کس مقصد سے کیا گیا تھا اور ساتھی کتنے تھے؟

۵۔ عمرہ کا مطلب بتاؤ۔؟

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ کہاں بیٹھا۔ اور کب اٹھا۔؟

۷۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کس طرح ہوئی۔؟

۸۔ صلح حدیبیہ میں کیا شرطیں طے ہوئیں اور اس صلح کو فتح مبین کیوں کہا گیا؟

فتح خیبر

محرّم ۷ھ

خیبر کا نام تم پہلے بھی پڑھ چکے ہو۔ یہ مدینہ منوّرہ سے تقریباً دو سو میل تھا۔ یہاں کھجوروں کے بہت سے باغ تھے۔ ہر قسم کی پیداوار ہوتی تھی۔ یہاں کی زمین گویا سونا اُگلتی تھی۔ یہ یہودیوں کا گڑھ تھا۔ اور اب اس کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ جو یہودی مدینہ طیبہ سے اُجڑے تھے اور اپنے ساتھ بہت کچھ دولت لے گئے تھے۔ وہ یہیں جا کر بسے تھے، یہاں یہودیوں کے سات قلعے تھے۔ بہت مضبوط۔ سب سے بڑے قلعہ کا نام "قموص" تھا۔ "مَرحَبْ" عرب کا مشہور پہلوان جو ایک ہزار سوار کی برابر مانا جاتا تھا، اسی قلعہ میں رہتا تھا۔ ان قلعوں میں جو فوج رہتی تھی اس کی مجموعی تعداد بیس ہزار تھی۔

خیبر کے قریب عرب کا مشہور قبیلہ "غطفان" تھا۔ جس کی قوت اور بہادری کا لوہا سارا عرب مانتا تھا۔

خیبر کے یہودؔ[1] اور غطفان ایک دوسرے کے دوست تھے۔ اسی طرح

---

[1] ایک کو یہودی کہتے ہیں اور جماعت کے لئے یہود کا لفظ بولا جاتا ہے۔ آخر کی یا حذف کر دی جاتی ہے۔

اور قبیلے بھی آپس میں دوستی کا معاہدہ کئے ہوئے تھے اور اسلام دشمنی نے اُن کے ایکے کو اور زیادہ مضبوط کر دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ خیبر کے یہود اور غطفان وغیرہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر چکے ہیں اور کچھ چھیڑ چھاڑ[1] شروع بھی کر دی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام جاں بازوں کو جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر بیعت کی تھی تیاری کا حکم دیا اور خیبر پہنچ گئے۔ یہودیوں نے کچھ مقابلہ کیا۔ پھر قلعہ بند ہو گئے۔ رفتہ رفتہ تمام قلعے فتح کر لئے گئے۔ صرف قلعہ "قموص" باقی رہ گیا جو سب سے زیادہ مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔

تقریباً دو ہفتہ محاصرہ رہا مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ ایک روز شام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کل سویرے اس شخص کو عَلَم[2] دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا۔" صحابہ کے لئے یہ رات بڑی امیدوں کی رات تھی۔ وہ منتظر تھے کہ فخر کا یہ تاج کس کو پہنایا جائے گا؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ لوگوں کو خیال بھی نہ تھا کہ یہ "سعادت" اُن کا حصہ ہوگی۔

صبح کے وقت صحابہ حیران رہ گئے جب زبانِ رسالت سے یہ الفاظ

---

[1] چنانچہ ایک چراگاہ جس کا نام "ذی قرد" تھا اور جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں رہا کرتی تھیں، قبیلہ غطفان کی ایک ٹولی نے حملہ کیا اور اونٹ لے گئے۔

[2] عَلَم: بڑا جھنڈا۔

صادر ہوئے۔ "علی کہاں ہیں" آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے حضرت "علی"
حاضرِ خدمت ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دہن مبارک کالعاب
آنکھوں کو لگایا۔

خدا کے حکم سے لعاب لگاتے ہی درد جاتا ہوگیا۔ آنکھیں سچے موتیوں کی
طرح چمکنے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے
سپرد کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ کا نام لیتے ہوئے جھنڈا ہاتھ
میں لیا۔ اور دریافت کیا۔ کیا یہود کو لڑکر مسلمان بنالوں۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا۔ نرمی کے ساتھ اسلام پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمہارے
سمجھانے سے اسلام لے آئے تو بہت بڑی دولت ہے۔ مسلمان زبردستی نہیں بنایا
جاتا ــــ مگر یہود اسلام قبول کرنے کے لئے کب تیار ہو سکتے تھے، لڑائی ہوئی
وہ مشہور بہادر "مرحب" جس کا رعب سارے عرب پر تھا۔ اکڑفوں کرتا ہوا
سامنے آیا۔ مگر شیرِ خدا نے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کردیا۔ پھر لڑائی کی
گھنگور گھٹائیں دونوں طرف سے اُمنڈ پڑیں۔ لیکن یہودی فوجوں کے کالے
بادل تھوڑی ہی دیر میں چھٹ گئے۔ اب میدان مسلمانوں کے لئے صاف تھا۔
یہود نے ہتھیار ڈال دیئے اور قلعہ کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دیئے
اس قلعہ پر بیس دن تک محاصرہ رہا۔ ان معرکوں میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور
پندرہ صحابی شہید ہوئے۔

یہود نے درخواست کی کہ ان کو خیبر سے نہ نکالا جائے۔ اُن کی زمینیں اُنہیں
کے پاس رہیں۔ وہ پیداوار کا آدھا حصّہ ادا کرتے رہیں گے۔

یہود وہاں کے پُرانے رہنے والے تھے۔ وہاں کے کسان تھے۔ زمینوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست اس شرط پر منظور فرمائی کہ مسلمان جب ضرورت سمجھیں گے، اُن کو نکال دیں گے۔

فصل تیار ہوتی اور بٹائی کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر بھیجتے تھے۔ حضرت عبداللہ بالکل برابر تقسیم کرتے پھر فرماتے کہ اِن میں سے جو چاہو لے لو۔ یہودی اس انصاف کو دیکھتے تو کہتے کہ زمین و آسمان ایسے ہی انصاف سے قائم ہیں۔

ادائے عمرہ گذشتہ سال صلح حدیبیہ کے وقت طے ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی اگلے سال آئیں گے اور مکہ معظمہ میں تین روز قیام کریں گے اور عمرہ ادا کریں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ جو بیعتِ رضوان میں حاضر تھے، ذی قعدہ کی شروع تاریخوں میں روانہ ہوئے۔

قاعدہ کے مطابق لبیک[1] کہتے ہوئے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور عمرہ

---

[1] قاعدہ یہ ہے کہ جب حج یا عمرہ کے لئے جاتے ہیں تو بار بار یہ دعا پڑھتے ہیں۔

لَبَّيْكَ ط اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ط لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ط اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ ط لَا شَرِيْكَ لَكَ ط

حاضر ہو رہا ہوں اے میرے معبود حاضر ہوں، حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، حاضر ہوں، بے شک شکر تیرا، نعمت تیری، اور ملک تیرا، تیرا کوئی ساجھی نہیں۔

ادا کیا۔ مکہ کے مشرک پہاڑوں پر چلے گئے اور وہیں سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھتے رہے۔ تیسرے روز کہلا بھیجا کہ معاہدہ کے مطابق مکہ خالی کر دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً کوچ کا حکم دے دیا اور مکہ معظمہ سے واپس ہو کر بخیریت مدینہ طیبہ پہنچے۔

صلوات اللہ علیہ وسلامہ

سوالات

۱۔ خیبر مدینہ سے کتنی دور ہے۔
۲۔ اس کا علاقہ کس قسم کا ہے اور وہ کن لوگوں کا مرکز تھا؟
۳۔ خیبر کے یہود کے پاس کتنی فوج تھی۔
۴۔ اُن کے کتنے قلعے تھے۔
۵۔ سب سے بڑے بہادر اور سب سے بڑے قلعہ کا نام کیا تھا۔
۶۔ اُس قلعہ کو کس نے فتح کیا
۷۔ اس بہادر کو کس نے قتل کیا؟

مُوتہ کی لڑائی

جمادی الاولیٰ ۸ھ

عرب کی سرحد پر شام کی طرف کچھ ریاستیں تھیں جن کے نواب، نسل سے عرب تھے۔ مگر مذہب کے عیسائی۔ کیونکہ شام کے عیسائی بادشاہ کے ماتحت تھے۔ انہیں میں "بُصریٰ" [1] ریاست کا نواب بھی تھا جس کا نام شُرَحبِیل تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں اور نوابوں کو دعوتِ اسلام کے جو خطوط بھیجے تھے اُن میں ایک خط اس شرحبیل کے نام بھی تھا، جس کو حضرت حارث بن عمیر لے گئے تھے۔ شرحبیل نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو بلا وجہ شہید کر ڈالا اور لڑائی کے لئے آمادہ ہوگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر پہنچی تو آپؐ نے [illegible] مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا۔ اس فوج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انصار کے مشہور سردار

---

[1] بصریٰ کو حوران بھی کہتے ہیں۔ وہ شہر دوسرا ہے جس کا نام بصرہ ہے وہ عراق میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ اور قریش کے مشہور بہادر حضرت خالد بن ولید بھی تھے مگر اس کا سردار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا جو اگرچہ خاندانی سردار نہ تھے بلکہ آزاد کردہ تھے۔ لیکن یہ سرداری ان کو ضرور حاصل تھی کہ آزاد کردہ غلاموں میں سب سے پہلے اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمادی تھی کہ اگر حضرت زید کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو حضرت جعفر طیار سپہ سالار ہوں گے: اُن کو بھی حادثہ پیش آجائے تو عبداللہ بن رواحہ جھنڈا سنبھالیں گے۔

روانگی کے وقت بہت کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ اُن کا ایک حصہ یہ تھا۔

(۱) تمہیں گرجاؤں اور کٹیوں میں کچھ لوگ ملیں گے جو دنیا چھوڑ چکے ہیں اُن [۲] سے تعرض نہ کیا جائے۔

(۲) عورت، بچہ اور بوڑھے کو قتل نہ کیا جائے۔

(۳) درخت اور باغ نہ کاٹے جائیں۔

شرحبیل کو خبر ہوئی تو ایک لاکھ مسلح فوج لے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ تین ہزار مردانِ باخدا کا ایک لاکھ سے مقابلہ ہوا۔ بہت سخت مقابلہ رہا۔ یکے بعد دیگرے تینوں سردار شہید ہوگئے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ خود آگے بڑھے۔ جھنڈا سنبھالا اور کامیابی کے ساتھ سارے مسلمانوں کو نکال لائے۔ اس روز حضرت خالد رضی اللہ عنہ

---

[۱] یہ وہی حضرت خالد بن ولید ہیں جنہوں نے اُحد کے موقع پر کفار کی جانب سے اسلامی فوج پر کامیاب حملے کرکے مسلمانوں کو شکست دی تھی۔ اب وہ صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ طیبہ آکر اسلام سے مشرف ہوچکے تھے

[۲] انہیں نہ چھیڑا جائے۔

کے ہاتھ میں آٹھ تلواریں ٹوٹیں۔

اس جنگ میں صرف ۱۲ مسلمان شہید ہوئے اور بے شمار عیسائی مارے گئے۔
حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دربار نبوت سے سیف اللہ کا خطاب ملا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔ عمر میں دس سال بڑے تھے۔

میدانِ جنگ میں جب حضرت زید رضی اللہ عنہ برچھیاں کھا کر شہید ہوئے تو حضرت جعفر رض نے علم ہاتھ میں لیا۔ گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔
پھر اس بے جگری سے لڑے کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ اوّل داہنا بازو کٹ گیا تو جھنڈا بائیں ہاتھ سے سنبھالا۔ پھر بایاں بازو بھی کٹ کر گر گیا تو جھنڈا سینہ سے چمٹا یا۔ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ میں نے اُن کی لاش دیکھی تھی۔ تلواروں اور برچھیوں کے نوّے زخم تھے۔ لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے۔ پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا تھا۔
یہ سب سے پہلی لڑائی تھی عیسائیت کی اسلام سے۔

لے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جعفر کو جبرئیل اور میکائیل کے ساتھ اڑتے دیکھا ہے خدا نے ان کو دو بازو عنایت فرما دیئے ہیں۔ وہ جنّت میں جہاں چاہتے ہیں اُڑ جاتے ہیں۔ اسی لئے بارگاہِ رسالت سے اُن کو طیّار کا خطاب ملا۔ یعنی اڑنے والا

فتح مکّہ

رمضان شریف ۸ھ جنوری ۶۳۰ء

خدا کے گھر پر خدا کے دین کا جھنڈا

لشکر کشی کا سبب[1] حدیبیہ کے موقع پر کافروں نے جو عہد کیا تھا، اس کو دو برس بھی نہ نبھایا۔ ۸ھ میں مکہ والوں نے اُس کی دھجیاں[2] اُڑا دیں۔

---

[1] لشکر کشی یعنی فوج لے جانا۔ لشکر فوج اور کشی کشیدن سے ماخوذ ہے کھینچنا۔

[2] صلح حدیبیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ عرب کے قبیلوں کو اختیار ہو گا کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کر لیں۔ اس بنا پر قبیلۂ خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کیا اور بنو بکر نے قریش کے ساتھ اس سال یعنی ۸ھ میں بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور رؤساء قریش نے اُن کی مدد کی۔ خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم شریف میں پناہ لی۔ مگر وہاں بھی اُن کو قتل کیا گیا۔ اس طرح قریش نے حدیبیہ کے معاہدہ کو ختم کر دیا۔ خزاعہ کا ایک وفد امداد کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے قریش کے پاس ایک قاصد بھیجا اور یہ شرط پیش کی کہ (۱) مقتولوں کا خوں بہا دیا جائے (۲) قریش بنو بکر کی حمایت سے (باقی صہ ۸۴ پر)

تاریخ روانگی لہٰذا دس رمضان ۸ھ کو کوکب[1] نبوی نہایت عظمت و شان کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف بڑھا۔

تعداد دس[2] ہزار آراستہ فوجیں رکاب میں تھیں۔ قبائل عرب راستہ میں آکر ملتے جاتے تھے۔ مرّ الظہران پہنچ کر لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور فوجیں دور دور تک پھیل گئیں۔ یہ مقام مکہ معظمہ سے ایک منزل[3] کے قریب ہے۔

فتح مکہ مکہ والے اس فوج سے مقابلہ کا حوصلہ نہ رکھتے تھے۔ ابوسفیان اور مکہ کے دوسرے سردار آئے اور ہار مان لی۔ مکہ فتح ہو گیا۔

عام معافی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے اعلان ہوا ـــــ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۲) الگ ہو جائیں ورنہ اعلان کر دیا جائے کہ معاہدہ ٹوٹ گیا۔ مگر قریش کی طرف سے "قرط بن عمر" نے جواب دیا کہ تیسری بات منظور ہے یعنی یہ کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] کوکبہ۔ سواری، کوکبہ نبویؐ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری۔

[2] یہ تھی صلح حدیبیہ کی برکت جس کو اللہ تعالیٰ نے "فتح مبین" قرار دیا تھا کہ صلح حدیبیہ کے وقت مجاہدین کی تعداد چودہ سو تھی اور ابھی پورے دو سال نہیں ہوئے ایک سال دس مہینے ہوئے ہیں کہ یہ تعداد دس ہزار ہو گئی۔

[3] منزل تقریباً ۱۶ میل کی ہوتی ہے۔

• جو شخص ہتھیار ڈال دے۔ جو شخص حرم شریف پہنچ جائے۔ جو شخص گھر کے دروازے بند کرلے۔ جو شخص ابوسفیان یا حکیم ابن حزام[1] کے گھر میں پناہ لے: اس کو قتل نہ کیا جائے۔

مکہ کے کافر جس قدر سہمتے تھوڑا تھا۔ کون سا جرم تھا جو اُنہوں نے نہیں کیا تھا۔ کون سی اذیت اور تکلیف تھی جو ہر ایک مسلمان اور خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہنچائی تھی۔

آج مجرم کی طرح پیش ہیں۔ مگر کس کے سامنے ؟ یہ اس کے دربار میں ہیں جو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سہمے ہوئے چہروں پر نظر ڈالی اور فرمادیا۔

جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ سب معاف۔ آج کوئی ملامت نہیں۔

غرض معافی اور درگذر کے پھول برساتے ہوئے مکہ معظمہ پر قبضہ کیا گیا۔

اللہ کے گھر میں اللہ والے

خدا کی شان ، وہ خانہ کعبہ جس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) نے ایک خدا کی یاد کے لئے بنایا تھا۔ نا اہلوں نے اُس کو بت خانہ بنا دیا تھا۔ اس کے اندر دیواروں پر تصویریں تھیں اور اُس کے صحن میں جس کو حرم شریف کہا جاتا ہے، تین سو ساٹھ بت رکھے ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں پھولی دار چھڑی تھی آپ ایک ایک بت پر چھڑی کی نوک سے

---

[1] یہ بھی ابوسفیان کی طرح قریش کے سردار تھے

چوکا دیتے اور فرماتے جاتے تھے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ   حق آگیا، باطل مٹ گیا

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝   باطل مٹنے ہی کی چیز ہے

خانہ کعبہ کی دیواروں پر جو تصویریں تھیں جن میں ایک تصویر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تھی۔ آپ نے ان کو کھرچوا دیا۔ دیواروں کو دھلوایا۔ پھر کعبہ مکرمہ میں آپ تشریف لے گئے۔ اللہ کی حمد و ثنا کی۔ بار بار اللہ اکبر فرمایا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کعبہ کے اوپر پہنچ کر اذان پڑھی۔

خطبۂ فتح آپ نے حرم شریف میں تقریر فرمائی۔ اس کے چند فقروں کا ترجمہ یہ ہے۔ پہلا فقرہ یہ تھا:

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُس کا کوئی شریک نہیں، اُس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور تمام جتھوں کو تنہا ہرا دیا۔

اس کے بعد فرمایا:

اے قریش! جاہلیت کا غرور، نسب کا گھمنڈ، خدا نے سب مٹا دیا۔ تمام آدمی آدم کی نسل ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لوگو! میں نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ لیکن خدا کے

نزدیک شرافت میں بڑھا ہوا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

پھر فرمایا:

سود حرام اور جتنے سودی مطالبے آج تک تھے ، وہ سب ساقط۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز مکہ معظمہ میں قیام فرمایا۔ پھر آپ "حُنین" تشریف لے گئے اور حضرت عتاب بن اُسید کو مکہ معظمہ کا حاکم (گورنر) بنایا اور ایک درہم روزانہ ان کا الاؤنس مقرر فرمایا۔

سوالات

۱۔ جب قریش سے دس سال کے لئے صلح ہوئی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے ہی سال مکہ پر کیسے حملہ کر دیا؟

۲۔ فتح مکہ کے لئے مدینہ طیبہ سے روانگی کب ہوئی اور مکہ معظمہ کب پہنچنا ہوا؟

۳۔ فتح کے بعد مشرکین مکہ سے آپ نے کیا سلوک کیا؟

۴۔ ابوسفیان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا معاملہ کیا؟

۵۔ مکہ کا پہلا گورنر کس کو مقرر فرمایا گیا اور اس وقت اُن کی عمر کیا تھی؟ ان کا الاؤنس کیا مقرر کیا؟

۶۔ حرم کعبہ کس کو کہتے ہیں، اور وہاں کتنے بت تھے ان کا کیا کیا گیا؟

۷۔ کعبہ کی دیواروں پر کیا تھا۔ کیا اس کو باقی رکھا گیا؟

۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر تشریف لے گئے تو آپ نے کیا کیا۔

۹۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہاں پڑھی؟

۱۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فتح میں کیا فرمایا؟

۱۱۔ اللہ تعالےٰ کے یہاں زیادہ شریف کون ہے؟

غزوۂ حُنین وطائف

طائف ایک پہاڑ ہے۔ مکہ معظمہ سے تقریباً ساٹھ میل۔ یہاں قبیلۂ ثقیف آباد تھا۔ طائف اور مکہ کے بیچ میں ایک میدان کا نام حنین تھا۔ یہاں قبیلۂ "ہوازن" آباد تھا۔ ثقیف اور ہوازن عرب کے مشہور قبیلے تھے۔ قریش کی طرح اُن کو بھی اپنی عزت و عظمت[1] پر ناز تھا۔ تیر اندازی میں اُن کو ایسی مہارت تھی کہ پورے عرب میں اُن کا جواب نہیں تھا۔

مکہ معظمہ فتح ہوا۔ اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو اُن کے غرور کی ہنڈیا جوش مارنے لگی کہ ہمارے ہوتے ہوئے مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے؟ اس لئے انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ لگا تو آپؐ نے حنین کی طرف کوچ فرمایا۔

حنین کے باشندوں یعنی قبیلۂ ہوازن کے لوگوں نے بڑے زور سے لڑائی کی تیاریاں کیں۔ عورتوں، بچوں، اونٹ، بکریوں کے گلوں اور تمام سامان و اسباب لے کر لڑائی کے میدان[2] میں آپڑے کہ جیتیں گے، ورنہ

---

[1] عظمت۔ بڑائی، ناز، گھمنڈ۔

[2] اس میدان کا نام "اوطاس" تھا۔ اسی لئے اس جنگ کو جنگ اوطاس بھی کہتے ہیں۔

لڑتے لڑتے مٹ جائیں گے۔

ہوازن چونکہ پہلے پہنچ چکے تھے۔ اُنہوں نے میدان میں سب سے اچھی جگہ اپنا مورچہ بنالیا تھا۔ اور راستہ میں پہاڑیوں پر تیر اندازوں کو بٹھادیا تھا کہ مسلمان آئیں تو راستہ ہی میں اُن کو بیندھ دیں۔

شوال ۸ھ کی ۷ر یا ۸ر تاریخ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے۔ دس ہزار مجاہدین کی فوج جو مدینہ سے آئی تھی۔ آپؐ کے ساتھ تھی دو ہزار مکہ کے نوجوان بھی ساتھ ہولئے۔ اُن میں وہ بھی تھے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اُن کو یہ غیرت تھی کہ ہوازن والوں نے ہمیں کمزور سمجھا۔ اسی لئے وہ ساتھ ہولئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے جوشیلے بھی تھے جنہوں نے زرہیں بھی نہیں پہنی تھیں۔

بہرحال ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح یہ فوج مکہ سے روانہ ہوئی۔ بدر و اُحد، احزاب اور حدیبیہ کی بے بسی کے مقابلہ میں آج کی شان و شوکت نئی اُمنگ دماغوں میں پیدا کر رہی تھی۔ کچھ اس میں مگن تھے کہ اتنی بڑی تعداد کو کون ہرا سکتا ہے۔ وہ بے فکری سے آگے بڑھتے چلے گئے۔ اُن کو

لہ تیر انداز تیر پھینکنے والے جن کو نشانہ پر تیر مارنے کی مہارت ہو۔

لہ اللہ تعالیٰ کو یہ زعم اور اپنی اکثریت پر بھروسہ پسند نہیں آیا۔ چنانچہ فوراً اس مقدس جماعت کو جس کی سیرت و خصلت اور کیرکٹر پر تاریخ ملت کی بنیاد رکھنی تھی اور جس کے دامن کو ہر قسم کے دھبے سے پاک رکھنا مقصود تھا۔ سبق دیا گیا اور ابتدا ہی میں یہ زعم مٹادیا گیا۔

خیال ہی نہ ہوا کہ دشمن گھات میں ہے۔ یہاں تک کہ ٹھیک اُس جگہ تک پہنچ گئے جس کے آس پاس دشمن کے تیر انداز تاک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بے فکر نوجوانوں کا اگلا دستہ جیسے ہی نشانہ پر آیا دشمن نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ پھر آگے بڑھ کر تلواروں اور نیزوں کے کرتب دکھانے شروع کر دیئے۔ اچانک حملہ سے ایک دفعہ مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے۔ جوشیلے نوجوان جو آگے آگے تھے گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ اُن کے ہٹنے سے اسلامی فوج تتر بتر ہو گئی۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس بارہ صحابیوں کے ساتھ میدان میں رہ گئے۔ اس وقت لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری کا اندازہ ہوا۔ آپ گھبرانے یا پیچھے ہٹنے کے بجائے گھوڑے سے اتر کر میدان میں کود پڑے اور دشمن کے مقابلہ میں گرج کر بڑے جوش سے ترانہ پڑھنے لگے۔ ترانہ کا مطلب یہ تھا۔

"میں سچا نبی ہوں، میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں جو قریش کا سردار اور عرب کا مشہور بہادر تھا"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو للکارے۔

"انصار، کہاں جاتے ہو۔ مہاجرین کیوں سمٹ گئے۔
بیعت رضوان والو، کہاں ہو؟"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت بلند تھی۔ آپ کی کڑک سے میدان گونج گیا۔ اور جیسے ہی انصار اور مہاجرین کے کانوں میں آواز پہنچی، بے تحاشا اپنے آقا کی طرف دوڑے اور پلٹ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔

آن کے آن میں دشمنوں کا طوفان کائی کی طرح چھٹ گیا۔ عورتیں اور بچے مویشی کے گلے اور سارا سامان واسباب میدان میں رہ گیا۔ مسلمانوں نے عورتوں اور بچوں کو حراست میں لے لیا اور تمام سامان واسباب اور مویشی پر قبضہ کر لیا۔

کامیابی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی روز تک انتظار کیا کہ ہوازن والے آکر بات کریں تو جو کچھ چھوڑ گئے ہیں وہ سب ان کو واپس کر دیا جائے۔ لیکن جب کسی نے خبر نہ لی تو دس بارہ روز کے بعد مال غنیمت اور تمام قیدی[1] تقسیم کر دیئے گئے۔ اس تقسیم میں قریش کے سرداروں کو زیادہ انعام دیا گیا اور اس طرح اُن کے دلوں میں محبت اور خیر خواہی کے چمن لگا دیئے گئے۔

کئی روز کے بعد ہوازن کے سردار حاضر خدمت ہوئے۔ امان مانگی اور درخواست کی کہ اُن کے قیدی واپس کر دیئے جائیں۔ اس وقت کے عام دستور کے مطابق یہ قیدی غلام بن چکے تھے اور جن کو دیئے گئے تھے وہ ان کے مالک بن چکے تھے۔ رہائی کا قصہ ہی ختم ہو گیا تھا۔

لیکن رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن کی درخواست کو رَد نہیں کیا۔ بلکہ آپؐ نے اُن کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا کہ جو قیدی میرے یا

---

[1] اس زمانہ میں ساری دنیا کا قانون یہی تھا کہ جنگ کے قیدیوں کو غلام بنایا جاتا تھا اور مال غنیمت کی طرح ان غلاموں کو بھی تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

میرے خاندان کے ہیں وہ سب تمہارے ہیں. باقی تمام قیدیوں کی رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز ظہر کے بعد جب سارے مسلمان موجود ہوں، تب یہ درخواست پیش کرو.

نماز ظہر کے بعد ہوازن کے سرداروں نے یہی درخواست مجمع کے سامنے پیش کی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست کا جواب دیتے ہوئے فرمایا.

جو قیدی میرے خاندان کو دیئے گئے ہیں وہ سب تمہارے ہیں اور میں مسلمانوں سے سفارش کرتا ہوں کہ وہ بھی اپنے قیدی واپس کر دیں.[1]

مہاجرین اور انصار اُٹھے اور اعلان کیا.

"ہمارا حصہ بھی حاضر ہے" اس طرح دفعتاً چھ ہزار آزاد ہو گئے.

یہ ہے اسلام کی سیر چشمی اور دشمنوں کے حق میں رحم اور مہربانی. پکا اور سچا مسلمان وہ ہے جو اخلاق کا نمونہ ہو اور جس طرح وہ ربّ العالمین کا بندہ، ارحم الرّاحمین کا پرستار اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا ہے، خود بھی سارے عالم کے لئے سراسر رحم ہو.

---

[1] یہ ہے اصول کی پابندی. جو قیدی مسلمانوں کی ملک ہو چکے ہیں اُن کو کسی آرڈی نینس یا کسی حکم کے ذریعہ واپس نہیں کرایا گیا، بلکہ مسلمانوں کے سب سے بڑے حاکم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارش فرمائی کہ مسلمان واپس کر دیں.

غزوۂ طائف

یہ طائف وہی ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے تشریف لے گئے تھے تو یہاں کے مغرور رئیسوں نے بات نہیں سنی تھی۔
قبیلۂ ثقیف یہاں آباد ہے۔ بہت خوش حال اور بہادری میں مشہور۔ حنین کے بھاگے ہوئے بھی یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اب تعداد میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ طائف کا مضبوط قلعہ پہاڑ پر ہونے کی وجہ سے بہت محفوظ ہے اور ایک مضبوط دیوار شہر کے چاروں طرف گھوم رہی ہے۔ جس کی وجہ سے پورا شہر محفوظ ہے۔ ہوازن کی طرح ثقیف بھی مسلمانوں پر حملہ کرنے والے تھے۔ لہٰذا حنین کی فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر اُن کو روکنا چاہا۔
طائف والوں کو جب خبر ہوئی تو وہ قلعہ بند ہو گئے۔ اس زمانے کی توپیں (یعنی منجنیق اور دبابہ) قلعہ کی دیواروں پر چڑھا دیں اور جگہ جگہ تیر اندازوں کے دستے بٹھا دیئے جو مشہور نشانہ باز تھے۔

۱۔ اسی وجہ سے اس کا نام طائف رکھا گیا۔ کیونکہ طائف کے معنی گھومنے والا یعنی جو لفظ دیوار کے لئے تھا وہ شہر کے لئے بولا جانے لگا۔

مسلمانوں نے وہاں پہنچ کر محاصرہ کر لیا اور قلعہ کی دیواریں توڑنے کے لئے منجنیق اور دبابے نصب کر دیئے۔ اب قلعہ کے اوپر سے پتھروں کی بارش برستی۔ منجنیق سے پتھر اور دبابہ سے لوہے کی گرم سلاخیں برسائی جاتیں[1] ان کا جواب بھی اسی طرح دیا جاتا۔ بیس روز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر شہر فتح نہیں ہوا۔ اور نہ جلد فتح کے آثار نظر آئے۔ البتہ ثقیف کے وہ ارادے کہ مسلمانوں پر حملہ کر کے اُن کو زک دیں گے، پست ہو گئے اور روک تھام کا جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ لہٰذا صحابہ کرام کے مشورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا حکم دے دیا۔

واپسی کے وقت صحابہ نے درخواست کی کہ محبوب رب العالمین اُن کے لئے بددعا کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کے بجائے یہ دُعا فرمائی۔

"اے خدا ثقیف کو ہدایت کر اور توفیق دے
کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں"[2]

یہ دُعا قبول ہوئی۔ کچھ دنوں بعد ثقیف کا ایک وفد مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے ساتھ بڑی عزت اور مہربانی سے پیش آئے۔ مسجد کے ایک کنارے پر اُن کے ٹھیرنے کے لئے خیمہ لگوائے۔ تاکہ مسلمانوں کے طریقوں کو دیکھتے رہیں اور جب ضرورت ہو بات چیت کرتے رہیں۔ چند روز ٹھیر کر جب اُن کو سب طرح اطمینان ہو گیا تو انہوں نے اسلام قبول کیا۔

---

[1] منجنیق سے پتھر اور دبابہ سے لوہے کی سلاخیں آگ میں تپا کر برسائی جاتی تھیں۔
[2] اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَائْتِ بِھِمْ۔ ابن سعد

غزوۂ تبوک

رجب ۹ھ

موتہ کا نام تم پہلے سُن چکے ہو۔ اسی طرف تبوک بھی تھا۔ یہ مدینہ سے تقریباً دو سو میل شام کے علاقہ میں تھا۔

شام سے آنے والوں نے بڑے یقین کے ساتھ یہ خبر پہنچائی کہ اس طرف کئی لاکھ عیسائی جمع ہو رہے ہیں۔ اور حملہ کرنا چاہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔ تاکہ دشمن کو سرحد ہی پر روک لیں۔

گرمیوں کا موسم تھا۔ رجب کا مہینہ۔ قحط کا دور دورہ۔ مسلمانوں کے ہاتھ[1] خالی۔ کھیتیاں تیار اور اتنے لمبے سفر میں کھیتیاں برباد۔

مگر جوں ہی سردارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جہاد کا اعلان ہوا۔ راہِ خدا میں قربان ہونے والے سچے مسلمانوں نے کمریں کس لیں۔ گرمی، تنگدستی، کھیتوں کی بربادی وغیرہ کی ساری مصیبتوں سے بے پرواہ ہو کر اللہ کے راستے

---

[1] اسی وجہ سے اس لشکر کو "جیش عسرت" کہتے ہیں۔ جیش، لشکر۔ عسرت، تنگدستی۔

میں نکل کھڑے ہوئے۔ اپنا سامان اپنے پاس سے کیا۔ اور جن کے پاس کچھ نہیں تھا اُن کے لئے دل کھول کر چندہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مالی امداد کی اپیل کی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آٹھے اور جو کچھ گھر میں تھا وہ سب لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "بچّوں کے لئے کیا چھوڑا؟"

حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا: "اللہ کافی ہے"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جو کچھ تھا آپ نے اُس کا آدھا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار، تین سو اونٹ اور اُن کا پورا سامان پیش کیا۔

بہرحال تیس ہزار کا لشکر تیار ہو گیا۔ مگر کچھ مسلمان ایسے بھی تھے جن کا سامان نہ ہو سکا، جب لشکر روانہ ہوا تو فداکاروں کی یہ جماعت اپنی بے بسی پر زار و قطار رو رہی تھی۔ جب لشکرِ اسلام اُس مقام پر پہنچا جہاں کا پتہ دیا گیا تھا تو وہاں سے دشمن غائب تھا۔ کچھ دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس طرف قیام فرمایا۔ اُس پاس کی چند ریاستوں نے معاہدہ کیا۔ تقریباً دو مہینہ بعد رمضان شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخیریت واپس پہنچے۔ واپسی کی خبر نے مدینہ والوں میں خوشی کی لہر دوڑا دی۔ بڑے جوش سے باہر نکلے اور بڑی شان سے شاہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔

حج وداع یعنی رخصتی حج

اللہ تعالیٰ کے سارے احکام پہونچا دیئے گئے۔ ان پر عمل کرادیا گیا لیکن ایک فرض باقی رہ گیا۔ یعنی " حج بیت اللہ " اس پر عمل کرانا باقی ہے۔

سنہ ھ ذی قعدہ کا مہینہ آیا۔ عرب میں حج کا اعلان کرادیا گیا۔ سب طرف سے لوگ آنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سواری ۲۶ ذیقعدہ سنہ ھ کو مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئی۔ شمع رسالت کے گرداگرد ہزاروں پروانوں کا ہجوم ہے۔ بے شمار پروانوں کے جھرمٹ آتے جاتے ہیں اور راستہ میں ملتے جاتے ہیں۔ یہ ایمان و اسلام کے شہسواروں کا نورانی قافلہ ہے۔ سوا لاکھ کے قریب اس کی تعداد ہے اس کے سر پر سارے آقاؤں کے مشفق آقا کی رحمت کا چھتر ہے وہ اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتا ہوا چل رہا ہے۔

ذی الحجہ سنہ ھ کی چوتھی تاریخ ہے۔ رحمت کا لشکر بلد حرام[1] میں داخل ہو رہا ہے۔ مکہ کی زمین پاک قدموں کی برکت لے رہی ہے۔ اللہ کا گھر استقبال کے لئے کھڑا ہے۔

---

[1] بلد حرام۔ بلد، شہر، حرام، جس کی تعظیم ضروری ہو۔ بلد حرام ایسا شہر جس کی تعظیم ضروری ہے مکہ مکرمہ کو بلد حرام کہا جاتا ہے اور کعبۂ مکرّم کے گرد جو احاطہ ہے اس کو مسجد حرام کہتے ہیں۔

۹ ر ذی الحجہ کو قواعد حج[1] کے مطابق مقام عرفات[2] پر سارے اللہ والے پہنچتے ہیں۔ گویا نور کا میلہ لگتا ہے۔ تقریباً سوا لاکھ کا مجمع ہے۔ نورانی بزرگوں کا بادشاہ، رسالت و نبوت کا تاجدار (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی اونٹنی پر ایک تقریر[3] فرماتا ہے۔ اُس کے حرف حرف سے ہدایت اور ترقی کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ چند جملوں کا ترجمہ یہ ہے:

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ خدا، واحد کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُس نے اپنا وعدہ پُورا کیا۔ اپنے بندے کو کامیاب کیا۔ تن تنہا تمام ٹولیوں کو پسپا کر دیا۔ وہی تعریف کا مستحق ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں۔ اُسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اُسی سے مغفرت مانگتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ اُس اکیلے معبود کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمدؐ اُس کا بندہ اور پیغمبر ہے۔

لوگو! میں تمہیں خوفِ خدا کی وصیت کرتا ہوں۔ دیکھو صرف چار چیزیں ہیں۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ کسی کی ناحق جان نہ لو۔ زنا نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔

---

[1] قواعد حج۔ حج کے قاعدے

[2] عرفات ایک پہاڑی میدان ہے، جہاں ۹ ر ذی الحجہ کو دوپہر سے شام تک حاجی ٹھہرتے، یہاں ظہر اور عصر کی نماز ہوتی ہے اور خطبہ ہوتا ہے۔

[3] حج کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند تقریریں ہوئیں اُن کی تفصیل طوالت طلب ہے۔ لہٰذا اُن کا خلاصہ ایک ہی جگہ پیش کر دیا گیا ہے۔

اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی اُمّت نہیں
کیا تم سنتے نہیں۔ لوگو! سُنو۔
اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ پانچوں نمازیں پڑھو۔ رمضان کے روزے رکھو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ جن کو تم حکومت کا ذمہ دار بناؤ اُن کی بات مانو۔ اپنے رب کی جنّت میں خوش خوش داخل ہو جاؤ۔
لوگو! بتاؤ، یہ کون سا دن ہے۔ کون سا مہینہ ہے۔ کس مقام پر تم اس وقت موجود ہو۔ (پھر ارشاد ہوا) یہ وہی دن ہے۔ جس کی تم ہمیشہ سے تعظیم کرتے چلے آئے ہو جس میں ایک دوسرے کے خون کو حرام سمجھتے آئے ہو۔ یہ وہی ذی الحجہ ہے جس میں آپس کا قتل و خون سب سے بڑا جُرم سمجھتے رہے ہو۔ یہ وہی شہر ہے جس کی حُرمت و عزّت کا سکہ تمہارے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے۔ جس میں ہر ایک جاندار کی جان محفوظ مانی جاتی ہے۔
دیکھو ایک دوسرے کی جان، مال، آبرو، ایسی ہی حرام ہے جیسے یہ مبارک دن ـــــ اس مبارک مہینہ اور اس مبارک شہر میں حرام[1] اور واجب التعظیم ہے۔
اے لوگو! میری سنو اور زندگی پاؤ۔
خبردار ظلم نہ کرنا۔ خبردار ظلم نہ کرنا۔ خبردار ظلم نہ کرنا۔ کسی شخص کا بھی مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا روا نہیں۔

---

[1] محترم۔

مسلمانو! خبردار۔ خبردار۔ میرے بعد گمراہ اور کافر نہ ہو جانا۔ کہ آپس میں گردنیں مارتے پھرو۔ میری سنو اور خوب سمجھو۔ یاد رکھو مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی۔ دیکھو ظلم مت کرو۔ کسی کی آبرو مت گراؤ۔

اے لوگو! اپنی عورتوں پر تمہارا حق ہے اور اُن کا تم پر۔ تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہاری آبرو کی حفاظت کریں۔ کوئی بدکاری عمل میں نہ لائیں۔ عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم خوش دلی سے اُن کو کھانا کپڑا دو۔ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ نہ کرے۔

دیکھو عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ وہ خدا کی بندیاں ہیں۔ خدا نے تم کو اُن پر بڑائی دی ہے۔ عورتوں کے معاملہ میں خوفِ خدا سے کام لو۔

اے لوگو! سنو۔ جہاد فی سبیل اللہ میں ایک شام یا ایک صبح چلنا بھی دنیا اور دنیا کی سب دولتوں سے بڑھ کر ہے۔

دیکھو! میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں جس کے ہوتے ہوتے تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ بشرطیکہ مضبوطی سے پکڑے رہو، وہ کیا ہے؟ اللہ کی کتاب۔

اے لوگو! بتاؤ میں نے خدا کے احکام پہنچا دیئے؟ جب تم سے میری بابت سوال ہوگا تو کیا کہوگے؟

سب نے جواب دیا۔ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے پیغام پوری طرح پہنچا دیا۔ امانت ادا کردی۔ نصیحت میں کوتاہی نہیں کی۔

اس پر آپ نے فرمایا۔ خدایا گواہ رہ۔ خدایا گواہ رہ۔ خدایا گواہ رہ۔!

پھر صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا دیکھو جو یہاں موجود ہیں وہ سب باتیں دوسروں تک پہنچادیں۔

اس موقع پر تکمیل دین کی بشارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی[1] کہ "آج تمہارا دین مکمل ہوگیا۔ تم پر خدا کی نعمت پوری ہوگئی۔ تمہارے دین سے خدا تعالیٰ راضی ہوگیا۔

مکہ معظمہ سے واپسی فرائض حج سے فراغت ہوگئی تو ۱۴ ذی الحجہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پاکباز ساتھی مکہ معظمہ سے واپس ہوئے۔

شام رسالت خدا کا دین مکمل ہوگیا۔ انسانوں نے بہت کچھ گردنیں موڑیں۔ آخر کار سارے عرب کی گردنیں ایک خدا کے سامنے جھک گئیں۔ اسلامی پاکیزگی دلوں میں بیٹھ گئی۔ کفر و شرک اور معصیت سے نفرت ہوگئی۔ اللہ کے گھر پر اللہ کے دین کا جھنڈا لہرانے لگا۔ اور صحابہ کرام کی ایسی جماعت تیار ہوگئی جو اس جھنڈے کو بلند رکھ سکے اور اللہ کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پہنچا سکے۔ اب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ختم ہوگیا لہذا آخری پیغام کا انتظار تھا۔

ابتداء مرض ۲۸ صفر ۱۱ھ کو سر میں درد ہوا۔ پھر بخار ہوگیا۔ بخار کی تیزی یہاں تک بڑھی کہ کمبل[2] تپنے لگا۔ بخار کے ساتھ

---

[1] اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ سورۃ انعام۔ ۲ع (باقی صفحہ ۱۰۱ پر)

بے چینی اور کمزوری بھی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ نماز کے لئے جانا مشکل ہو گیا۔ سہارے کے بغیر چلانہ جانا۔ رفتہ رفتہ یہ طاقت بھی نہ رہی۔ تو کچھ نمازیں گھر میں ادا کیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے حکم سے مسجد میں امامت کی۔ اسی دوران میں فرمایا۔

> "تم سے پہلے قومیں گذر چکی ہیں جو نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ کرتی تھیں۔ خدا کی لعنت اُن پر ہوئی۔ تم ایسا نہ کرنا۔"

بارہ ربیع الاول پیر کی صبح کو کسی قدر سہولت ہوئی۔ حجرہ کا پردہ اُٹھایا مسجد میں جماعت ہو رہی تھی۔ چہرۂ انور نمازیوں کو نظر پڑا۔ گویا قرآن مقدس کا نورانی صفحہ تھا۔ آپ نے پردہ چھوڑ دیا۔ پھر آہستہ آہستہ مسجد میں تشریف لائے جماعت میں شریک ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام تھے۔ اُن کے پیچھے بیٹھ کر آپؐ نے نماز ادا کی۔ اب صحابۂ کرام کی خوشی کا کیا ٹھکانا تھا۔ دلوں میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قریب کے گاؤں میں جانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کمبل پر ہاتھ رکھا تو بخار کی حرارت سے وہ تپ رہا تھا۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہؐ بخار کس قدر تیز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ درست ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی آزمائش سخت ہوا کرتی ہے۔ اُن کی بیماری بھی شدید ہوتی ہے اور اسی طرح اُن کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔

تھا[1] آپ حضرت عائشہ رضؓ سے کہہ کر وہاں تشریف لے گئے۔ مگر افسوس یہ آرام کی صورت نہیں تھی بلکہ آخری سنبھالا تھا۔ چنانچہ دوپہر کے وقت تکلیف بڑھی۔ پیاس کا غلبہ ہوا۔ آپؐ نے مسواک فرمائی۔ اُمّت کو آخری پیغام پہنچایا۔

اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ نماز، نماز، غلاموں اور باندیوں کے حقوق،

پھر رُوحِ مبارک نے اپنے خالق و مالک کی طرف رُخ کیا۔ محبوبِ حقیقی کو یاد کیا۔ اور اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی[2] کہتے ہوئے عالمِ بالا کی طرف رخصت ہوگئی۔ روح پرواز کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ ایک تیز خوشبو کی مہک دنیا کو معطر کر رہی تھی۔

صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَامُہٗ اَبَدًا اَبَدًا دَائِمًا

یہ ایک ایسی بڑی مصیبت تھی کہ صحابہ کرام تو کیا ساری دنیا کو پہلی مرتبہ دیکھنی پڑ رہی تھی۔

دنیا نے نہ کبھی ایسا رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین دیکھا تھا نہ اس کے فراق سے عالمِ انسانیت کا سینہ داغدار ہوا تھا

عام صحابہ کرام پر سکتہ تھا۔ ذمہ دار سراسیمہ تھے۔ مدینہ طیبہ میں تہلکہ مچ گیا۔

---

[1] اس مقام کا صحیح نام ہے جو مدینہ طیبہ سے پورب کی جانب۔ یہاں آپ کا کچھ کام ہوتا تھا۔ اور یہیں آپ کی ایک بیوی رہتی تھیں۔

[2] ترجمہ۔ اے اللہ بلند مرتبہ ساتھیوں کی رفاقت اور ہمراہی عطا فرما۔ بلند مرتبہ ساتھی یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

دنیا تاریک ہوگئی۔ آسمان سے حسرت برسنے لگی۔ درو دیوار پر اداسی چھا گئی۔ تختِ نبوت ہمیشہ کے لئے خالی ہوگیا۔ فرشتوں نے ماتم کیا۔ غیبی آوازوں نے تعزیت کی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

پیر کا دن تھا۔ ربیع الاول کی بارہ[1] تاریخ۔ ظہر اور عصر کے درمیان کا وقت۔ عمر شریف تریسٹھ سال پورے کر رہی تھی۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ‏ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خداوند اصلوٰۃ و سلام نازل فرما ہمیشہ ہمیشہ ‏ اپنے محبوب پر جو ساری مخلوقات میں سب سے بہتر ہے

جانشینی وفات کے بعد سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ امت کا نظم کون سنبھالے کہیں ایسا نہ ہو کہ وفات کی خبر پاتے ہی فتنے کھڑے ہو جائیں اور ملت کی یہ مالا بکھر جائے۔

چنانچہ مہاجرین اور انصار کے ذمہ دار حضرات نے مشورہ کیا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو جانشین بنا دیا۔

غسل و کفن حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو قریبی[2] رشتہ دار تھے، غسل دیا۔ برہنہ کرنا بے ادبی سمجھا گیا۔ لہٰذا کپڑوں کے اوپر سے پانی ڈالا گیا اور انہیں کپڑوں سے آہستہ آہستہ جسدِ مبارک کو

---

[1] قاضی محمد سلیمان صاحب نے رحمۃ للعالمین میں اپنے حساب سے ۱۳ ربیع الاول مطابق ۸ جون ۶۳۲ء تحریر فرمائی ہے۔

[2] ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دو فرزند فضل اور قثم اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی شریک تھے۔

مل کر پانی ترادیا گیا۔ پھر پوری پردہ پوشی کے ساتھ بھیگے کپڑے اُتار کر تین سفید کپڑوں میں کفنایا گیا۔

نمازِ جنازہ نمازِ جنازہ کے متعلق حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا۔ آپ نے فتویٰ دیا کہ جمالِ نبوّت کے شیدائی دو دو چار چار کر کے حجرہ کی ایک جانب سے جنازہ پر حاضر ہوں۔ خود صلوٰۃ سلام پڑھیں۔ دعا مانگیں اور حجرہ کی دوسری جانب سے واپس ہو جائیں۔ یہ سلسلہ اگلے دن شام تک جاری رہا۔

قبرِ مبارک قبر کے متعلق حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ انبیاء علیہم السّلام کی روح اللہ تعالیٰ اُسی پاک جگہ قبض کرتا ہے جہاں دفنانا منظور ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں وفات ہوئی ہے لہٰذا یہیں قبر کھودی جائے اور یہیں دفنایا جائے۔ چنانچہ منگل کا دن گذار کر رات کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بغلی لحد کی قبر کھودی اور آدھی رات کے بعد شاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پردہ پوش کر دیا گیا۔ گویا نورِ مجسّم خزانہ میں امانت رکھ دیا گیا۔

صلوات اللّٰہ علیہ وسلامہ دائماً ابداً کلما
ذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغافلون ؕ

(تمام شد رسالہ نمبر ۸)

کتابت: عبد المجید بجنوری